هفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیاد

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۶ رشعبان المعظم ۱۴۰۳ھ

۲۰ رمئی ۱۹۸۳ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

ہدیہ

دو روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ——— حضرت لاہوری قدس سرہٗ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْكَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْكَ فَیَقُوْلُ ھَلْ رَضِیْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَیَقُوْلُ اَلَا اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا رَبِّ وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ متفق علیہ۔

ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق اللہ تعالےٰ بہشتیوں سے فرمائے گا۔ اے بہشتیو! پھر وہ کہیں گے اے رب ہمارے! ہم تیری خدمت میں حاضر اور موجود ہیں۔ اور بھلائی ساری تیرے ہی قبضہ میں ہے۔ پھر فرمائے گا آیا تم راضی ہو گئے ہو وہ کہیں گے اور ہم کیوں راضی نہ ہوں ہمیں تو نے وہ کچھ عطا فرمایا ہے کہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو نہیں دیا پھر فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے بہتر ایک چیز نہ دوں وہ کہیں گے اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں اس کے بعد کبھی میں تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔

عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عَیَانًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَاَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا۔ متفق علیہ

جریرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق قریب ہے کہ تم اپنے رب کو آشکارا دیکھو گے اور ایک روایت میں ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اللہ تعالےٰ کے دیکھنے میں تم ایذا نہیں دئے جاؤ گے۔ پس اگر اس بات کی طاقت رکھو کہ تم سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی فجر) اور غروب سے پہلے کی نماز (یعنی عصر) پر غلبہ نہ کئے جاؤ۔ تو کرو پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، اور تسبیح پڑھ ساتھ حمد اپنے رب کی سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



جلد ۲۸ ● شمارہ ۴۶
۲۰ مئی ۱۹۸۳ء

مجلس ادارت



بدل اشتراک
سالانہ .... ۸۰ روپے
ششماہی .... ۴۵ روپے
سہ ماہی .... ۲۵ روپے
فی پرچہ دو روپے

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس

اور

مشترکہ اجلاس

وقت کی اہم ترین ضرورت

معاصر عزیز الاعتصام نے اپنی ۲۹ اپریل کی اشاعت میں "اہل سنت کے علماء و زعماء کی خدمت میں اپیل" کے عنوان سے ایک مختصر ادارتی نوٹ لکھا ہے۔ جس میں اپنے ایک سابقہ ادارتی نوٹ کے حوالے سے نظام عشر (و زکوٰۃ) میں شیعہ سنّی مسلک کی تفریق کو سخت خطرناک بتایا ہے اور اہل علم و فکر کی آواز کو نظر انداز کرنے پر حکومت کو سنگین غلطی کا مجرم گردانتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اگر اس میں (حکومت میں) صحیح اقدام کے لئے مطلوبہ جرأت و ہمت کا فقدان تھا تو بہتر تھا کہ وہ اس نظام کو نافذ ہی نہ کرتی۔

افسوس ہے کہ حکومت اپنے اس غیر دانش مندانہ اقدام پر جو ملک کی وحدت و سالمیت کے نقطۂ نظر سے انتہائی خطرناک عواقب کا حامل ہے ابھی تک مصر ہے اور اس میں تبدیلی کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتی۔"

اس کے بعد معاصر عزیز نے اہل سنت کے جملہ مکاتیب فکر سے اپیل کی ہے کہ وہ اس مسئلہ پر کسی مشترکہ اجلاس کا فوری اہتمام کریں اور اس کے مالہ و ما علیہ پر غور کر کے متفقہ اقدام کرنے کا اعلان کریں تاکہ حکومت کی نادانشی اور دینی بے حمیتی سے اہل سنت کے مسلک اور کاز کو جو عظیم خطرہ لاحق ہو گیا ہے اس کا سدِّ باب ہو سکے۔

اور آخر میں "معاصر" نے بجا طور پر لکھا ہے کہ "یاد رکھئے! اس موقعہ پر اگر اہل سنت نے اتحاد، تدبر، دور اندیشی اور جرأت و ہمت کا ثبوت نہ دیا تو یہ تاریخ کا المناک ترین حادثہ ہوگا جس کے بطن سے جو ظہور پذیر ہوگا وہ چشم بینا رکھنے والا آج بھی دیکھ رہا ہے۔"

معاصر عزیز نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے دل کی آواز ہے اور ہم اپنے ادارتی کالموں میں بارہا اس مسئلہ پر حکومت اور اہل سنت کو توجّہ دلا چکے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کا سنجیدگی سے جائزہ لے۔ لیکن. افسوس کہ کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آج جو حضرات فقہ جعفریہ کے علمبردار بن کر اسلام آباد سے کراچی تک ہنگامہ آرائی میں مصروف ہیں ان کا تاریخی طور پر جو رول ہے اس سے آنکھیں بند کرنا ملّی خودکشی کے مترادف ہے —— مشکل یہ ہے کہ حکومت مخصوص مصلحتوں کا شکار ہے، سیاست دان ہیں تو انہیں اپنے ووٹ کی فکر ہے اور بس! وہ بھلا کیوں ایسی بات کریں جس سے کوئی ناراض ہو —— حتیٰ کہ وہ لوگ جو مسند دعوت و ارشاد کے وارث ہیں اُن تک کا یہ حال ہے کہ وہ صحیح بات منہ پر لانے سے گریز کرتے ہیں، اور مخصوص موسم میں ان کی تقریر و خطبہ کا لب و لہجہ سنیّت کا مظہر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد رہ گئے عوام تو ان سے کیا گلہ؟

اس لئے ہم نے بارہا عرض کیا کہ ایک تو اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ایک بورڈ تشکیل کرکے دیانت دارانہ طریق سے تاریخ اسلام کی تدوین کا اہتمام کیا جائے تاکہ نسلِ نو اپنے صحیح ماضی سے واقف ہو سکے۔ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ اپنے نصاب تعلیم کا قبلہ درست کیا جائے کیونکہ موجودہ نصاب کسی طرح بھی حوصلہ افزا نہیں اور اس سے ایک بچہ صحیح معنوں میں کبھی بھی سنّی ذہن کا مالک نہیں ہو سکتا —— یہ سب باتیں اپنی جگہ بجا کہ اس حکومتی اقدام نے ایک انتہائی مشکل صورتِ حال پیدا کر دی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا سبب وہ بے حمیتی ہے جس کا دین کے معاملہ میں عام طور پر اظہار ہو رہا ہے۔

اے کاش! حکومت سمجھتی کہ وہ دینی اقدار اور روایات کا اس طرح تیا پانچہ کرکے اپنا ہی کچھ بگاڑ رہی ہے۔ اس موقعہ پر ایم۔ آر۔ ڈی کے متوالے علماء کرام سے بھی ہم بصد ادب عرض کریں گے کہ وہ ایک طرف حکومت کو غیر نمائندہ اور غیر اسلامی سمجھ کر فتوے دے رہے ہیں کہ اسے زکوٰۃ و عشر نہ دیا جائے. دوسری طرف زکوٰۃ و عشر کے شرعی حکم میں نقب لگانے والے ٹولہ سے محبت و مؤدّت —— چہ معنی دارد؟ کیا وہ اپنی سرگرمیوں کا خود جائزہ لیں گے؟

بہرطور یہ بات بڑی اہم اور ضروری ہے کہ برادرانِ اہلسنت متوجہ ہوں اور ایک ہمہ گیر اجتماع کا اہتمام کرکے سنّی عوام کو واضح لائحہ عمل دیں، نیز حکومت سے اپنے حقوق منوانے کے لئے مؤثر قدم اٹھائیں —— اگر ایسا ہو گیا تو بہت اچھا، ورنہ آج کے اہل دین و دانش کو تاریخ کبھی معاف نہ کرے گی اور پھر کوئی ابن علقمی غارت گرِ دین و ملّت بن کر ہماری بربادی کا باعث بن جائے گا۔

جھوٹ!
معاشرہ کی سب سے بڑی
برائی ہے!

خطبہ جمعہ — ضبط و ترتیب : علوی

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :——

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ (الشوریٰ ۳۰)

بزرگانِ گرامی، برادرانِ عزیز!

آج دنیا میں جس کو دیکھو شکوہ بہ لب ہے، حالات کی سنگینی کا ہر کوئی رونا روتا ہے۔ مسائل و مصائب کا ذکر آتا ہے اور خاص طور پر مسلمان کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس کی کیفیت خانۂ انوری کی سی بن چکی ہے، گویا ہر مصیبت اور ہر مشکل ہے، ہی اس کے لئے!

آج کی صحبت میں عزیزانِ ملّت کی خدمت میں جو آیت کریمہ پیش کی گئی وہ سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۰ ہے۔ حضرت شیخنا العالم مولانا محمود حسن دیوبندی قدس اللہ سرہ العزیز ترجمہ فرماتے ہیں :۔

"اور جو پڑے تم پر سختی سو وہ بدلا ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ۔"

گویا اللہ رب العزت نے واضح کر دیا کہ یہ جو کچھ ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، اسی لئے ہم نے عنوان رکھا، "اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست۔"

ارشاداتِ عثمانی

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ کی روشنی میں لکھتے ہیں :۔

"یعنی جیسی نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں مصائب کا نزول بھی خاص اسباب و ضوابط کے تحت ہوتا ہے مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض اوقات والدہ کی بدپرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلے والے یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ ہی حال روحانی اور باطنی بدپرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھو تو گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لئے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور

یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت گناہوں سے درگذر کرتی ہے اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس باقی نہ رہتا۔ حضرت شاہ صاحب (شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہٗ) لکھتے ہیں) یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے گناہگار ہوں یا نیک، مگر نبی اس میں داخل نہیں۔ (اور چھوٹے بچے بھی اس میں شامل نہیں) ان کے واسطے اور کچھ ہوگا اور سختی دنیا کی بھی آگئی۔ اور قبر کی اور آخرت کی بھی!

مولانا عثمانی قدس سرہ نے بڑی صحیح اور درست بات لکھی۔ واقعہ یہی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ انسان کی اپنی بداعمالیوں کے سبب ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن عزیز میں اور بھی ارشاد ہیں مثلاً سورۂ روم میں ظھر الفساد فی البر والبحر والی مشہور آیت ہے۔ اس میں بھی بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ کا جملہ موجود ہے جس کا معنی یہی ہے۔

ارشاداتِ رسالت

اور جب ہم اس نقطۂ نظر سے حضور اکرم نبی مکرم قائدنا الاعظم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے ارشادات کا تعلق ہے اس پر غور کریں تو ایک وسیع تر سلسلہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے ایک ارشاد نقل کیا ہے —— فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"جب مال فیٔ (وہ مال جو دشمن سے بغیر جنگ حاصل ہو جائے) کو بغیر کسی ضبط و نظم یونہی خرچ کیا جانے لگے — لوگ اپنی بیوی کی تو اطاعت کریں اور اپنی ماں کی نافرمانی کرنے لگیں۔ اپنے دوستوں کے قریب ہوں لیکن اپنے باپ سے دور ہو جائیں، مسجدوں میں ہنگامہ آرائی ہونے لگے۔ قبیلوں کی سیادت وہ کرنے لگیں جو سب سے زیادہ فاسق ہوں اور قوموں کے متکفل و کفیل وہ ہوں جو سب سے زیادہ رذیل ہوں، کسی آدمی کی عزت محض اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جائے، گانے بجانے والی عورتیں اور آلات لہو و لعب عام ہو جائیں، شراب کھلے بندوں پی جانے لگے، امت کے پہلے بزرگوں اور اسلاف پر پچھلے لعن طعن کرنے لگیں تو اس کے انجام کے طور پر سرخ آندھیاں چلیں گی، زلزلے آئیں گے، خسف و مسخ عام ہوگا، آسمان سے پتھر برسیں گے اور اس حد تک آفتوں اور بلاؤں کا ظہور ہوگا کہ گویا تسبیح اور ہار ٹوٹ گیا اور دانے پر دانہ گرنے لگا۔"

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کو امام ترمذی قدس سرہ نے نقل کیا۔ اس میں شراب کے ساتھ ساتھ ریشم پہننے کا ذکر ہے اور فرمایا گیا ہے حَلَّ بِھَا الْبَلَاءُ کہ مصیبتوں کا نزول و شیوع ہوگا۔

پس خوب سمجھ لینا چاہیے۔ کہ اس کائنات میں جو ہو رہا ہے اس کا سبب انسانی اعمال ہیں۔ انسان جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانیوں پر اُتر آتا ہے تو اس کا ردِّ عمل مصائب و آلام کی شکل میں سامنے آتا ہے اور یہ ایک طرح کی تنبیہ ہوتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالیوں سے باز آجائے۔ اور خیر و نیکی کی طرف رجوع کرلے۔ جب عام انسانی معاشرہ خیر و نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے تو یہ دنیا جنت ارضی

(باقی ۲۵ پر)

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

- اَرْوَاحِ ثَلاثَہ — مولانا اشرف علی تھانویؒ
- تَذکِرَۃُ الْخَلِیْلؒ — مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
- تذکرہ مَشائخ کاندھلہ — مولانا احتشام الحسن
- مولانا محمد الیاس اور اُنکی دینی دعوۃ — مولانا ابوالحسن علی ندوی
- سَوانح مولانا محمد یُوسفؒ — سیّد محمد ثانی حسنی
- تَذکِرہ مشائخ دیوبند — مفتی عزیز الرحمٰن
- آپ بیتی — مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
- مَحبُوبُ العَارفین — صُوفی محمد اقبال مَدنی

شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

مقبُول جہانگیر

کاندھلہ ضلع مظفّرنگر یو۔پی میں دہلی —— سہارنپور ریلوے لائن پر ایک با رونق قصبہ ہے۔ مظفرنگر سے چونتیس میل اور سہارنپور سے پینتالیس میل دُور۔ مشرق میں نہر جمن شرقی اور اس کے کنارے حدِّ نظر تک باغوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ دریائے جمنا ہی کی وجہ سے یہ علاقہ پنجاب کے ضلع کرنال سے کٹتا ہے۔ قصبے کا جنوب مشرقی علاقہ خاص طور پر بے حد زرخیز ہے۔ آموں کے باغ محلوں اور آبادیوں تک پہنچ گئے ہیں اور حضرت احسان دانش کاندھلوی مرحوم نے لکھا تھا: "نہر کے گل بار کناروں کا منظر ہر وقت رہٹ چلنے کے باعث گردونواح کے دوسرے مناظر سے نسبتاً شاداب اور رُوح افزا رہتا ہے، مگر شام ہوتے ہی جب شام کی نیلی آنکھوں میں سرسوں پھُولنے لگتی ہے، اس وقت یہ قطعہ اور بھی تیکھا ہو جاتا ہے۔ جنوب میں شاہی وقتوں کا ایک پختہ تالاب ہے جس کے مشرقی کنارے پر پُرانی اور مختصر سی مسجد، مغرب میں نہانے کا زینہ دار گھاٹ، شمال میں ایک عالی شان مندر اور پجاریوں کے لیے دو منزلہ عمارت، جنوب میں مویشیوں کے پانی پینے کے لیے کچّا اور ڈھلوان گھاٹ اور اس گئو گھاٹ کی پشت پر دور تک ٹیلے کے پیچھے سرسبز میدان ہے۔

"کاندھلے کی آبادی سے ریلوے اسٹیشن صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ رات کو ریل گاڑی کی آواز اس طرح آتی ہے جیسے زمین دردِزہ میں مبتلا ہو۔ آبادی اور تالاب کا یہ محبوب منظر باغ کے اتنا قریب تھا کہ جب آموں کا موسم جنم لیتا، تو بُور کی خوشبُو اور کوئلوں کی کُوک آبادی میں مندروں کے کلس اور مکانوں کی اٹاریاں چومتی پھرنے لگتی اور راستے کی خاموشی میں رکھوالوں کی آواز قصبے کی گلیوں تک مار کرتی۔"

کاندھلہ اگرچہ پُرانا قصبہ ہے، مگر اس میں تاریخی اہمیّت کی کوئی عمارت نہیں۔ بعض تاریخی حوالوں سے اتنا پتا چلتا ہے کہ سلطان محمّد تغلق رجب ۷۹۳ھ میں اس قصبے کے قریب شکار کھیلنے آیا، اس وقت قصبے کی کس مپرسی کا یہ عالم تھا کہ یہاں کوئی جامع مسجد بھی نہ تھی۔ سلطان نے جامع مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور اس طرح کاندھلے کی ترقی کی

بنیاد رکھی گئی۔ شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں یہ قصبہ ایک نمایاں حیثیت اختیار کر گیا۔ جس وقت مسلمانوں کا عہدِ اقتدار ختم ہوا اور اس کی جگہ ہندوستان میں برطانوی استعمار نے سنبھالی، تو کاندھلہ اپنی شہری آبادی کے علاوہ اکاون دیہات پر مشتمل تھا۔ ۱۸۴۷ء میں اس کی آبادی تقریباً سات ہزار نفوس تھی اور تقسیم ہند کے وقت خاص کاندھلے کی آبادی چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً چودہ ہزار تھی۔ سہارنپور اور مظفر نگر کے اضلاع میں اگرچہ بعض قصبے کاندھلے سے بھی بڑے ہیں، مگر بارھویں، تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں جس قدر اہلِ علم و فضل کاندھلے کی خاک سے اٹھے شرف کسی اور قصبے کو حاصل نہ ہو سکا۔

مولانا عبدالحی جنہوں نے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی دامادی کا شرف پایا اور تحریکِ آزادی میں حضرت سیّد احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کے دست و بازو بنے، اس سرزمین سے تعلق رکھتے تھے۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، جو شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں تھے، اسی قصبے کی خاکِ پاک سے اُٹھے۔ مفتی الٰہی بخش وہ باکمال آدمی ہیں۔ جنہوں نے مثنوی مولانائے رُوم کا تکملہ لکھا۔ ان کے بعد مولانا مظفّر حسین کاندھلوی، مولانا کمال الدّین، مولانا حکیم شیخ الاسلام، حافظ محمّد اسمٰعیل، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور ان کے نامور فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، ان کے چچا مولانا محمّد الیاس بانی تبلیغی جماعت، اُن کے بیٹے مولانا محمّد یوسفؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے علمار کے اسم ہائے گرامی نمایاں ہیں۔

مُفتی الٰہی بخش کاندھلوی علومِ عقلیہ و نقلیہ میں کامل الفن استاد تھے۔ ۱۱۶۲ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے ممتاز شاگرد اور مرید تھے۔ عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہہ، طبیب، شاعر اور مُصنّف تھے۔ اکثر تصانیف پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے بعد کسی شاگرد کو عطا کر دیتے۔ عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں پر یکساں عبور تھا۔ قصیدہ بانت سعاد کی شرحِ عربی زبان میں لکھی۔ جس میں ہر شعر کا فارسی اور اُردو میں منظوم ترجمہ ہے۔ ۱۲۳۴ھ میں مفتی صاحبؒ سیّد احمد شہیدؒ کی ملاقات و بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بہتّر سال اور سیّد صاحب کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ ایک ایسے شیخ سے بیعت ہونا جو عمر میں اڑتیس سال چھوٹا اور رسمی طور پر عالم بھی نہ تھا، مفتی صاحبؒ کی للّٰہیّت، بے نفسی اور خلوص کی دلیل ہے۔ بیعت ہونے کے بعد سیّد صاحبؒ کے طریقے اور اذکار میں ایک کتاب فارسی زبان میں "لمعاتِ احمدیہ" کے نام سے لکھی جو سیّد صاحبؒ کی تالیف "صراطِ مستقیم" کا خلاصہ مع اضافہ ہے۔ مفتی صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔ مولوی ابوالقاسم اور مولوی ابوالحسن۔ موخر الذکر مشہور مثنوی "گلزارِ ابراہیم" کے مُصنّف ہیں جو ان کی بڑی کتاب "بحرِ حقیقت" کا ایک حصّہ ہے۔ مفتی صاحب کا خاندان نہ صرف ضلع مظفّر نگر، بلکہ پُوری اسلامی دنیا میں اپنی علمی اور دینی حیثیّت سے ممتاز ہے۔

مفتی الٰہی بخشؒ کی حیات ہی میں اور ان کے وصال کے بعد کاندھلے کی جس شخصیّت نے علم اور تقویٰ میں بہت اُونچا مقام اور نام پایا، وہ حضرت مولانا مظفر حسین کی ذات گرامی ہے۔ مولانا مظفر حسین مولوی محمود بخش کے صاحبزادے اور مفتی الٰہی بخش کے بھتیجے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کی، لیکن ابھی پوری نہ کرنے پائے تھے کہ مفتی الٰہی بخش نے دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، چنانچہ مولانا مظفر حسین نے بقیہ ظاہری و باطنی تعلیم دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور شاگردِ رشید حضرت شاہ محمّد اسحٰق سے پوری کی۔ اُنہیں مولانا محمد یعقوب مہاجر مکی سے بھی شدید تعلّقِ خاطر تھا اور ان سے بیعت بھی تھے۔ سلسلۂ درس و تدریس نہ تھا، سیدھی سادی زندگی بسر فرماتے، البتّہ کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی مستورات میں وعظ کہہ دیا کرتے تھے۔ گاڑھے کا کرتہ، پاجامہ اور نیلی لنگی، یہ آپ کا لباس تھا۔ مولانا مظفر حسین کی صاحبزادی کہا کرتی تھیں کہ ایک بار موٹی ململ کا کُرتہ مولانا کے لیے سیا، تو پہلے زیبِ تن فرمانے سے انکار کر دیا، بعد میں بیٹی کی خوشنودی کے لیے پہنا، مگر جمعے کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا: "میرا گاڑھے کا کُرتہ دے

دو، ململ کے کُرتے سے طبیعت میں عجب پیدا ہوتا ہے۔"

سواری پر کبھی نہ بیٹھتے، اکثر پیدل سفر کیا کرتے اور سامانِ سفر لوٹا، لنگی، لکڑی اور مشکیزہ ہوتا۔ جہاں شام ہو جاتی وہیں شب بسری کیا کرتے۔ ایک مرتبہ شام ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے، کوئی مسلمان نہ تھا۔ گاؤں والوں سے مولانا نے کہا کہ رات رہنے کے لیے کوئی جگہ بتا دو۔ ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولہو پر جگہ بتا دی۔ وہاں آکر مولانا نے رومال میں بندھی ہوئی اپنی روٹی کھائی اور آرام کیا۔ اتفاق سے وہی شخص رات کے وقت جنگل میں آیا۔ اُس نے مولانا کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے سُنا، اس پر محویت طاری ہو گئی۔ تمام شب بےتابی سے گزاری، صبح ہوتے ہی حاضرِ خدمت ہوا اور کہنے لگا: "جو تو پڑھ رہا تھا، وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے۔" اس کے بعد وہ انہیں اپنے گھر لے گیا اور اس کے بیوی بچے سب مسلمان ہو گئے۔

مولانا مظفّر حسین ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں ایک شخص ملا۔ اس سے دریافت فرمایا: "کہاں جاؤ گے؟" اُس نے جواب دیا: "کاندھلہ، مولوی مظفّر حسین کے پاس۔" اُس شخص کے پاس سامان تھا اور مولانا خالی ہاتھ تھے۔ آپ نے اس سے سامان لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آکر جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی مظفّر حسین ہیں تو بہت پشیمان ہوا۔ مولانا نے فرمایا: "اس میں کیا حرج تھا؟ مَیں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ اٹھائے ہوئے آ رہے تھے۔"

مولانا بے حد محتاط طبیعت رکھتے تھے۔ کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے اور اگر بھُولے یا غلطی سے کھا لیتے، تو فوراً قے ہو جاتی۔ اُن کے زمانۂ طالب علمی کا قِصّہ ہے کہ مولانا نے کئی سال سالن سے روٹی نہیں کھائی۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر گھرانوں میں سالن کے اندر کھٹائی پڑتی ہے اور یہاں لوگ آموں کی بیع ناجائز طریق پر کرتے ہیں، اس لیے میں سالن نہیں کھاتا۔ مولانا بجز اپنے گھر کے، کسی اور کے ہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ یُوں بھی ان کی دعوت کرتے وقت ہر شخص گھبراتا کہ کہیں فضیحت نہ ہو جائے۔ گھر کے لوگ بھی بڑی احتیاط کرتے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ نواب قطب الدّین صاحب دہلویؒ نے اپنے استاد شاہ اسحٰقؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا مظفّر حسین کاندھلوی اور چند دوسرے اصحاب کی دعوت کی۔ شاہ اسحٰق اور دوسرے تمام حضرات نے دعوت منظور کر لی، مگر مولانا مظفّر حسین صاحبؒ نے منظور نہ فرمائی — اس سے نواب صاحب کو ملال ہوا اور اُنہوں نے شاہ اسحٰق سے شکایت کی۔ یہ سُن کر شاہ صاحب نے مولانا پر عتاب فرمایا اور کہا: "اے مظفّر حسین! تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہو گئی؟ کیا نواب قطب الدّین کا کھانا بھی حرام ہے؟" مولانا نے عرض کیا: "حضرت حاشا وکلّا، مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں۔" شاہ صاحبؒ نے فرمایا: "پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟" مولانا نے جواب میں کہا: "حضرت! نواب صاحب نے آپ کی دعوت کی ہے اور مولوی محمّد یعقوب صاحب کی بھی اور اُن کے علاوہ اپنے آدمیوں کی بھی۔ آپ کو پالکی میں لے جائیں گے، اس میں بھی زر صرف ہو گا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں، پھر بھی نواب زادہ ہیں، دعوت میں ضرور نوّابانہ تکلّف کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں۔ جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں گے ان کی حاجت سے زائد ہے۔ یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے؟ ایسی حالت میں ان کی دعوت کراہت سے خالی نہیں۔" مولانا کی یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آ گئی اور اُنھوں نے فرمایا: "میاں قطب الدّین، اب ہم بھی تمہارے ہاں کھانا نہ کھائیں گے۔"

مولانا مظفّر حسین نہایت منکسر المزاج تھے۔ اس سادگی سے رہتے سہتے کہ انھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اتنے بڑے عالم ہوں گے۔ ہر کام خود کرتے، بلکہ دوسروں کا کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے، وہاں تشریف لے جاتے۔ اگر کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا، تو پوچھ کر وہ لا دیتے۔ پیسہ اس زمانے میں کم تھا۔ جو شے آتی، غلّے کی آتی تھی۔ آپ غلّہ کبھی کرتے کے پلّے میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں۔ مولانا

نے چھ حج پیدل کیے۔ ایک مرتبہ مکّہ مکرمہ سے مولانا محمّد یعقوب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ خط ملتے ہی وہ فوراً بیت اللہ روانہ ہو گئے۔ یہ روانگی ۱۲۸۲ھ میں ہوئی، ابھی مکّہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہو گیا؛ تاہم جوں توں کر کے پہنچ گئے۔ وہاں حضرت حاجی امداد اللہؒ سے فرمایا: "میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منوّرہ میں موت آئے، مگر اب بظاہر میری موت کا وقت قریب آ گیا۔ آپ مراقبہ کیجیے۔" حاجی صاحب نے مراقبے کے بعد فرمایا: "نہیں، آپ مدینہ منوّرہ پہنچ جائیں گے۔" چند روز بعد مولانا اچھے ہو گئے اور مدینہ منوّرہ کی طرف چل پڑے۔ مدینے پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ بیمار ہوئے اور دسویں محرّم ۱۲۸۲ھ جمعے کو انتقال کیا۔ مدینہ میں حضرت عثمانؓ کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔

مولانا مظفّر حسین کاندھلویؒ کی صاحبزادی بی امۃ الرّحمٰن بھی رابعہ سیرت بی بی تھیں۔ انہیں خاندان میں عام طور پر امّی بی کے نام سے یاد کیا جاتا۔ اُن کے بارے میں ایک مرتبہ مولانا محمّد الیاس کاندھلویؒ نے فرمایا: "میں نے اپنی نانی کی نماز کا نمونہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی نماز میں دیکھا" اور مولانا گنگوہیؒ کی نماز اپنے طبقے میں ممتاز تھی۔ آخر زمانے میں امّی بی کا یہ حال تھا کہ خود کھانا کبھی طلب نہ فرماتی تھیں۔ کسی نے لا کر رکھ دیا، تو کھا لیا۔ گھر بڑا تھا، اگر کام کی کثرت اور بے حد مشغولیت کی وجہ سے خیال نہ آیا، تو بھوکی بیٹھی رہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ ایسے ضعف کی حالت میں بے کھائے رہتی ہیں۔ فرمایا: "الحمد للہ! میں تسبیحات سے حظ حاصل کر لیتی ہوں۔" امّی بی کی بیٹی صفیہ کا نکاح کاندھلے کے ایک نوجوان عالمِ دین اور صدّیقی خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب سے ہوا۔ مولانا اسمٰعیل کا جدّی نسب چھٹی پُشت میں مفتی الٰہی بخش صاحب سے جا ملتا ہے۔ مولانا محمّد اسمٰعیل کا اصل وطن جھنجھانہ تھا، لیکن آپ دہلی میں مرزا الٰہی بخش کے صاحبزادوں کی دینی تعلیم و تربیّت کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ مرزا الٰہی بخش کا نام تاریخ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ مرزا صاحب، بہادر شاہ ظفر کے سمدھی تھے اور "غدر" ۱۸۵۷ء میں انہوں نے انگریزوں کی خفیہ طور پر بڑی خدمات ادا کیں۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی اپنی مشہور تالیف "الثّورۃ الہندیہ" میں منشی جیون لال کے روزنامچے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"بادشاہ سراسیمہ تھے۔ شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تختِ شاہی کی تمناؤں نے باہمی رقابت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ عمائدِ شہر میں دو گروہ تھے، ایک بادشاہ کا ہمنوا اور دوسرا حکومتِ کمپنی کا بہی خواہ۔ فوجوں میں طمع اور لالچ نے گھر کر لیا تھا۔ جنرل بخت خاں کی اسکیموں میں مرزا مُغل آڑے آتے تھے۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوا دیا تھا، کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مرزا مغل کی وجہ سے فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ جنرل بخت خاں سے لوگ بگڑ گئے۔ کمپنی کی فوج نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دہلی پر حملہ کر دیا اور ۱۹ ستمبر کو مکمل طور پر انگریز قابض ہو گئے۔ بادشاہ جو اس درمیان میں قلعے سے نکل کر مقبرۂ ہمایوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے، اور متعلقین گرفتار کر کے قلعے میں نظر بند کر دیے گئے۔ تین شہزادوں کو قلعے میں داخل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے سر خوان پوش سے ڈھک کر، خوان میں لگا کر بہادر شاہ ظفر کے سامنے بطور تحفہ پیش کیے گئے۔ انہی میں مرزا مغل کا سر بھی تھا۔ جنرل بخت اپنی فوج اور توپ خانہ نکال کر لے گئے۔ بادشاہ سے کہا آپ بھی میرے ساتھ چلیں، مگر وہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ کھلونا بن چکے تھے، آمادہ نہ ہوئے۔ آخر کار بہادر شاہ ظفر پر مقدمہ چلا۔ انہیں رنگون میں نظر بند کر دیا گیا۔ مرزا الٰہی بخش کو انگریزوں نے اعزازات و انعامات دیے، جاگیریں مقرّر کیں، لیکن مرزا صاحب دلی والوں کی نظر سے ایسے گرے کہ کہیں مُنہ دکھانے کو جگہ نہ تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ انگریز انہیں دلّی کے بازاروں میں چھ گھوڑوں کی شاہانہ بگھّی پر نکلنے کی اجازت دیں، مگر انہوں نے ایسی اجازت نہ دی، بلکہ کچھ عرصے بعد مرزا الٰہی بخش کو قلعے سے نکال کر بستی نظام الدّین میں منتقل کر دیا؛ چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل بھی ان کے ساتھ بستی نظام الدّین چلے آئے۔ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء کے مزارِ پُر انوار کے

قریب چونسٹھ کھمبے کے نام سے ایک تاریخی عمارت ہے۔ اس کے سُرخ پھاٹک پر اُوپر کی منزل میں مولانا محمّد اسمٰعیل کو رہنے کے لیے جگہ ملی۔ پھاٹک کے متصل ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ اس کے سامنے مرزا الٰہی بخش کی نشِست گاہ تھی جس پر ٹین پڑا ہوا تھا۔ اِسی باعث اُسے بنگلے والی مسجد بھی کہتے ہیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل ذاکر و شاغل، متّقی اور مستجاب الدّعوات آدمی تھے۔ تلاوتِ قرآن اور ادعیہ ماثورہ سے خاص شغف تھا۔ جس کی وجہ سے آپ خاص مقام کے مالک تھے۔ بایں ہمہ اپنی زندگی عزلت اور گمنامی میں گزار رہے تھے۔ آتے گئے مسافروں کی خِدمت، قرآن مجید اور دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا۔ خدمت و تواضع کا یہ عالم کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر آ نکلتے، مولانا ان کا بوجھ اُتار کر رکھ دیتے۔ اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر انہیں پانی پلاتے، پھر دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ، تو نے مجھے اپنے بندوں کی یہ خِدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، میں اس قابل نہ تھا۔ عام اجتماع اور ہجوم کے زمانے میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضائے الٰہی اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلقِ خدا کی راحت رسانی اور خِدمت میں مشغول رہتے۔ مولانا ہر وقت ذاکر و باخدا رہتے۔ مختلف حالات و اوقات کے بارے میں حدیث میں جو اذکار اور اوراد آئے ہیں، ان کی پابندی کرتے تھے۔ آپ کو مرتبۂ احسان حاصل تھا۔

امیر شاہ خاں صاحب کی روایت ہے کہ جب بھی ان کی ملاقات مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب سے ہوتی، وہ یہ ضرور فرمایا کرتے: "حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبّت ہو، تو چاہیے کہ اسے اطلاع کر دے، اس لیے میں بہ تعمیلِ ارشادِ نبویؐ تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبّت ہے۔" یہ مولانا کا ہر ملاقات پر معمول رہا اور کبھی اس کے خلاف نہ ہوا۔

ایک مرتبہ انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے تخلیے میں یوں کہا: "میں بیعت ہوں مولانا محمّد یعقوب دہلوی سے اور مولانا مظفّر حسین صاحب سے میں نے تعلیم حاصل کی۔ اُن کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائفِ ستّہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے، لیکن مجھے ابتدا سے اتباعِ سنت کا شوق تھا اور جو اوراد حدیث میں وارد ہوئے میں ان کا بہت اہتمام کرتا ہوں، اس لیے مجھے اعمالِ مشائخ سے کم دلچسپی تھی۔ کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور اب میری ضعیفی کا وقت ہے۔ میں چاہتا ہوں جناب مجھے کچھ تعلیم فرمائیں۔" حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: "جو اعمال آپ کرتے ہیں، اُن میں آپ کو مرتبۂ احسان حاصل ہے۔ مزید تعلیم کی ضرورت نہیں، کیونکہ مرتبۂ احسان حاصل ہونے کے بعد اشغالِ صوفیہ میں مشغول ہونا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص گلستاں، بوستاں پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کر دے؛ چنانچہ آپ کے لیے اعمالِ مشائخ میں اشتغال تضیعِ اوقات اور معصیت ہے۔"

مولانا محمّد اسمٰعیل کی آخر میں یہ حالت تھی کہ قرآن مجید کی تلاوت اور درود میں شب و روز گزرتے۔ پرانی تمنا یہ بھی تھی کہ بکریاں چراتا رہوں اور قرآن پڑھتا رہوں۔ رات کو اس کا خاص اہتمام تھا کہ گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور جاگتا رہے۔ بارہ ایک بجے تک منجھلے صاحبزادے مولانا محمّد یحییٰ مطالعے میں مشغول رہتے۔ اس وقت مولانا محمد اسمٰعیل بیدار ہو جاتے اور مولانا یحییٰ سو جاتے۔ پچھلے پہر بڑے صاحبزادے مولانا محمد صاحب کو جگا دیتے۔

مولانا اسمٰعیل کی اہلیہ صفیہ بی بی بھی قرآن کی حافظہ تھیں اور وہ بھی اتنا اچھا یاد تھا کہ کبھی متشابہ نہ لگتا۔ ایک ہفتے میں قرآن مجید پورا کر لیتی تھیں۔ اس کے علاوہ درود اور اسمِ ذات اور ایک منزلِ قرآن کی تلاوت روزانہ کا معمول تھا۔ یہی نہیں، اس گھرانے کی سب بیبیوں کا یہی عالم تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"گھر میں بیبیاں عام طور پر نوافل میں اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھا کرتی تھیں اور عزیز مردوں کے پیچھے تراویح اور نوافل میں سنتی تھیں۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کی عجب بہار ہوتی۔ گھروں میں جابجا قرآن کی تلاوت ہوتی اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا۔ عورتوں کو اتنا ذوق اور علم تھا کہ قرآن مجید پڑھ

پڑھ کر مزہ لیتیں اور نماز کے بعد اپنے مقامات کا ذکر کرتیں۔ نمازوں میں ایسی محویّت اور استغراق تھا کہ بسا اوقات بعض بیبیوں کو گھر میں پردہ کرانے اور کسی حادثے وغیرہ میں لوگوں کے آنے جانے کا احساس تک نہ ہوتا۔ قرآن شریف ترجمہ و اردو تفسیر، مظاہرِ حق، مشارق الانوار، حصنِ حصین یہ کتابیں عورتوں کا منتہیانہ نصاب تھا۔ اس خاندان کا یہ عام رواج تھا کہ گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خاندان کے قصّوں اور چرچوں سے گرم رہتیں۔ ان بزرگوں کے واقعات مَردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے۔ مائیں اور گھر کی بیبیاں بچّوں کو طوطے مینا کے قصّوں کے بجائے یہی رُوح پَرور واقعات سناتیں۔"

مولانا محمد اسمٰعیل کی طبیعت اتنی صُلح کُل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی۔ بے ہمہ ایسے تھے کہ اللہ نے باہمہ بنا دیا تھا۔ آپ کو للّٰہیّت، خلوص اور بے نفسی ایسی آشکار تھی کہ دہلی کی مختلف الخیال جماعتیں جو اس زمانے میں ایک دوسرے سے سخت متوحش اور متنفّر تھیں ان کے پیشواؤں کو مولانا اسمٰعیل پر یکساں اعتماد اور آپ کی ذات سے بلااختلاف عقیدت تھی۔

میوات سے مولانا کا تعلق بھی آپ کی حیات میں شروع ہوا۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ اس فکر میں نکلے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا نظر پڑے، تو اُسے مسجد میں لے آئیں اور اسکے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لیں۔ چند مسلمان نظر آتے۔ اُن سے پوچھا: "کہاں جاتے ہو؟" انہوں نے کہا: "مزدوری کے لیے۔" پوچھا: "کیا مزدوری ملے گی؟" انہوں نے مزدوری بتائی۔ مولانا نے فرمایا: اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے، تو پھر جانے کی کیا ضرورت؟" اُنہوں نے منظور کر لیا۔ آپ انہیں مسجد میں لے آئے۔ نماز سکھانے اور قرآن پڑھانے لگے۔ یومیہ مزدوری انہیں دے دیتے اور انہیں پڑھنے اور سیکھنے میں مشغول رکھتے۔ چند دنوں بعد ان لوگوں کو نماز کی عادت پڑ گئی۔ یہ بنگلے والی مسجد کے مدرسے کی بنیاد تھی اور یہ پہلے طالب علم تھے۔ اس کے بعد دس بارہ میواتی طالب علم برابر مدرسے میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخشؒ کے ہاں سے آتا تھا۔

۴، شوال ۱۳۱۵ھ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے انتقال فرمایا۔ "غفرلہٗ" تاریخِ وفات ہے۔ مقبولیّتِ عامّہ کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جنازے کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ اس کے دونوں طرف بلّیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو، مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے بستی نظام الدین تک ساڑھے تین میل کے سفر میں کاندھا دینے کا موقع نہ ملا۔ ہجوم اور کثرتِ افراد کے باعث بار بار جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ جس کیوجہ سے دفن میں تاخیر ہوئی۔ اس عرصے میں ایک صاحب ادراک بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں: "مجھے جلدی رُخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم، صحابہؓ کی زیارت میں تاخیر ہو رہی ہے۔"

مولانا اسمٰعیل صاحب کے تین بیٹے تھے۔ پہلی بیوی سے مولانا محمّد صاحب اور دوسری بیوی سے مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمّد الیاس۔ مولانا نے اپنے ان بیٹوں کی تعلیم و تربیّت پر خاص توجّہ دی۔ اخلاق و کردار سنوارنے پر زیادہ زور تھا۔ مولانا محمد یحییٰ نے سات برس کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ خود کہتے ہیں: والد صاحب کی طرف سے حکم تھا کہ جب تک پورا قرآن شریف ختم نہ کر لوگے، روٹی نہ ملے گی؛ لہٰذا میں عموماً ظہر سے قبل پورا قرآن ختم کر لیا کرتا اور کھانا کھا کر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا۔" بچپن ہی سے اس قدر ذہین و فطین تھے کہ اکثر کتابیں خود ہی پڑھیں، کسی استاد سے مدد کی نوبت نہ آئی۔ ارشاد فرماتے تھے کہ مُسلّم مجھے اَزبَر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت دو دو سو مرتبہ پڑھی ہے۔ عربی ادب میں اتنی مہارت تھی کہ نظم و نثر بلا تکلّف لکھ لیتے تھے۔ ادب و منطق کے علاوہ مولانا محمد یحییٰ نے باقی کتابیں دہلی کے مدرسہ حسین بخشؒ میں پڑھیں اور ارادہ تھا کہ حدیث شریف گنگوہ جا کر مولانا رشید احمد کی خدمت میں پڑھیں گے، لیکن جب مدرسے میں سالانہ امتحان کا وقت آیا، تو کارکنانِ مدرسہ نے آپ کا نام بھی بخاری

شریف کے امتحان میں لکھ دیا، حالانکہ بخاری کا ایک سبق بھی آپ نے نہیں پڑھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ فکرمند ہوئے، لیکن آپ کے والد مولانا محمّد اسمٰعیلؒ نے فرمایا: "محمّد یحییٰ، کیا حرج ہے! ابھی امتحان میں پانچ مہینے باقی ہیں۔ اس عرصے میں بخاری پڑھ لو۔" چنانچہ مولانا یحییٰ فرماتے ہیں: وہ پانچ مہینے میں نے حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاءؒ کے مزارِ پُر انوار کے ایک حجرے میں اس طرح گزارے کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں، سوائے ان دو لڑکوں کے جن کے ذمّے میری روٹی اور وضو کا پانی لانا تھا؛ چنانچہ اسی دوران میں کاندھلہ سے میرے نکاح کا تار آیا، تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یحییٰؒ خاصی مُدّت سے یہاں نہیں ہے اور نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ غرض اس عرصے میں میں نے بخاری شریف، سیرت ابنِ ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر اس اہتمام سے دیکھیں کہ مجھے خود حیرت ہے۔ اتفاق سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ممتحن تجویز ہوئے اور تشریف لائے، تو میرے جوابات دیکھ کر فرمایا: "ایسے جوابات تو مدرّس بھی نہیں لکھ سکتا۔"

۱۳۱۱ھ میں مولانا یحییٰ، گنگوہ گئے اور مولانا رشید احمد سے حدیث پڑھی۔ آہستہ آہستہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حَد درجہ محبّت اور عقیدت ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب تک آپ گنگوہ میں رہے، حضرت گنگوہیؒ کے خادمِ خاص بَن کر رہے۔ حضرتؒ کی ظاہری بینائی جاتی رہی تھی اور مولانا محمّد یحییٰ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یحییٰ اَندھے کی لاٹھی ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے بھی کہیں چلے جاتے، تو حضرۃ گنگوہیؒ بےچین ہو جاتے۔ غرض بارہ برس تک ان کی خدمت میں رہے — اور پھر ان سے بیعت ہو کر ذکر و شغل بھی شروع کر دیا — حضرت کے وصال کے بعد مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے وہ عمامہ جو حضرت گنگوہیؒ کے سَر پر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے باندھا تھا اور جسے اصل پیچوں پر آپ نے رہنے دیا تھا، مولانا محمّد یحییٰ کے سَر پر یہ کہہ کر رکھ دیا کہ "اس کے مستحق تم ہو۔ میں آج تک اس کا محافظ اور امین تھا۔ الحمدللہ! آج حق حق دار کے حوالے کر کے بارِ امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب علم آئے، تو اسے سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔"

مولانا محمّد یحییٰ کے فرزندِ ارجمند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اپنے والد کے بارے میں فرماتے تھے کہ اُن کی زندگی اس قدر سادہ تھی کہ لباس یا طرزِ معاشرت سے کوئی انہیں مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا۔ کپڑے زیادہ تر گھر میں دھو لیا کرتے۔ کھانے پینے کا ذوق بھی سادہ تھا۔ کبھی گھر میں کوئی خاص چیز پکانے کی فرمائش نہ کرتے۔ جو سامنے رکھ دیا جاتا رغبت سے کھا لیتے۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں کہیں سے خمیری روٹی اور قورمہ آیا۔ تناول فرما کر حضرت، خانقاہ میں تشریف لائے اور مولانا محمد یحییٰ سے فرمایا: "میاں مولوی یحییٰ، تمہیں بھی کچھ بھاوے؟" انہوں نے عرض کی: حضرت! ایک اہر کی دال بھاتی نہیں، باقی جو کچھ ملے، پسند ہے۔" یہ سن کر حضرت گنگوہی ہنس پڑے اور جرأت کا یہ شعر بے ساختہ پڑھا ؎

کیا کہوں جرأت کہ کچھ بھاتا نہیں
کچھ تو بھایا ہے جو کچھ بھاتا نہیں

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے آپ کو مدرسہ مظاہر العلوم بلوا لیا تھا جہاں آپ نے درس حدیث دیا اور ایک پیسہ تنخواہ نہ لی مولانا خلیل احمد ۱۳۲۸ھ میں حج پر گئے، تب قائم مقام بن کر مدرسے میں درس دیا۔ ساری تنخواہ مولانا خلیل احمد کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے۔ ساڑھے پانچ سال تک اسی طرح پڑھایا اور یہ صرف مولانا محمّد یحییٰ کی امتیازی شان ہے۔ ۱۳۳۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔

مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یحییٰ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ الیاس اختر تاریخی نام ہے۔ مولانا الیاس کا بچپن اپنے ننھیال کاندھلہ میں اور والد مولانا اسمٰعیل کے پاس بستی نظام الدّین میں گزرا۔ خاندان کے دوسرے بچوں کی طرح آپ نے بھی بچپن ہی میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ حفظِ قرآن شریف کا خاندان میں ایسا رواج تھا کہ مسجد کی ڈیڑھ صف میں مؤذّن کے سوا کوئی غیر حافظ نہ ہوتا۔ امی بی، مولانا الیاس

پر بے حد شفیق تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں: "اختر! مجھے تجھ سے صحابہؓ کی جھلک آتی ہے۔" کبھی پیٹھ پر محبّت سے ہاتھ رکھ کر کہتیں، کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ مولانا الیاس میں ابتداء سے صحابہ کرام کی سی والہانہ شان کی ایک ادا اور ان کی دینی بیقراری کی ایک جھلک موجود تھی۔ جسے دیکھ کر شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مَیں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں، تو مجھے صحابہؓ یاد آجاتے ہیں۔ دین کی حمیّت آپ کی فطرت میں ودیعت تھی۔ دینی ماحول اور بزرگوں کے واقعات و روایات نے اس چنگاری کو ہوا دی۔ آپ کے ہم عمر و ہم مکتب ریاض الاسلام صاحب کاندھلوی کی روایت ہے کہ جب ہم مکتب میں پڑھتے تھے، ایک دن مولوی الیاس لکڑی لے کر آئے اور کہا: "آؤ، میاں ریاض، چلو، بے نمازیوں پر جہاد کریں۔" شوّال ۱۳۱۱ھ میں آپ کے بھائی مولانا محمد یحییٰ جب گنگوہ چلے گئے اور وہیں قیام اختیار کیا۔ اس دوران میں مولانا الیاس کبھی اپنے والد کے پاس نظام الدّین میں اور کبھی ننھیال کاندھلہ چلے جاتے تھے اور یوں جیسی ان کی تعلیم ہونی چاہیئے تھی نہیں ہو رہی تھی؛ چنانچہ کچھ عرصے بعد مولانا یحییٰ آئے اور چھوٹے بھائی کو بھی اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے۔ اس زمانے میں مولانا الیاس کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی اور جب مولانا رشید احمد گنگوہی نے وفات پائی تب بیس سال کے تھے۔

گویا دس برس کی مدّت مولانا الیاس کاندھلویؒ نے مولانا گنگوہیؒ کی صحبت میں گزاری اور بالآخر انہیں سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔

مولانا الیاس فرماتے تھے کہ جب میں اللہ کا ذکر کرتا، تو مجھے اپنے اُوپر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا۔ حضرت گنگوہی سے کہا، تو وہ تھرّا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بھی یہی شکایت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے فرمائی تھی، تو حاجی صاحب نے کہا تھا، مولوی قاسم، اللہ آپ سے کوئی کام لے گا — جذب و شوق مولانا کے خمیر میں تھا اور اس کے بغیر ترقّی مُشکل ہے۔ اسی جذب و شوق نے جسم کی لاغری اور قویٰ کی کمزوری کے باوجود ان سے اتنا عظیمُ الشّان اور حیرت انگیز کام کرا دیا جو ان کی جسمانی حالت سے ذرا مطابقت نہ رکھتا تھا۔ ذکر و اشغال، نوافل و عبادات کے ساتھ شروع سے مجاہدانہ جذبات بھی سینے میں موجزن تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے مولانا محمّد حسن صاحب کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد بھی کی تھی۔ شیوخ و اکابر کے حلقے میں بھی امتیاز و اعزاز کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا خشوع و تقویٰ سب کو معلوم تھا، اس لیے کبھی کبھی اکابر کی موجودگی میں امامت کے لیے آپ ہی کو بڑھایا جاتا۔ کچھ عرصہ مولانا الیاس نے مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور میں کتابیں بھی پڑھائیں اور ۱۳۳۳ھ میں حج بھی کیا۔ اپنے بڑے بھائیوں مولانا محمّد اور مولانا یحییٰ کی وفات

کے بعد آپ مستقل طور پر بستی نظام الدّین میں رہنے لگے۔ مقصد یہ تھا کہ اپنے والد کے قائم کردہ مدرسے کو آباد رکھیں اور قرب و نواح میں دین کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے۔

اس زمانے میں بستی نظام الدّین کے آس پاس کوئی آبادی نہ تھی۔ مسجد کے ارد گرد جنگل ہی جنگل تھا۔ مشکل ہی سے کسی انسان کی صورت دکھائی دیتی۔ چند میواتی اور غیر میواتی غیر طالبعلم، بس یہ مسجد و مدرسہ کی کل کائنات تھی۔ مولانا الیاس کی کوئی مُستقل آمدنی نہ تھی۔ توکّل علی اللہ، قناعت اور ان کی ہمّتِ عالی اصل سرمایہ تھا۔ بڑی تنگی اور سختی سے گزر بسر ہوتی۔ اکثر فاقے کی نوبت آجاتی، مگر مولانا کے ابرو پر بل نہ آتا۔ بعض اوقات اعلان فرما دیتے کہ آج کھانے کو نہیں ہے، جس کا جی چاہے رہے اور جس کا جی چاہے، چلا جائے، لیکن طلبہ کی ایسی رُوحانی تربیّت ہو رہی تھی کہ کوئی جانے کو تیار نہ ہوتا۔ بعض اوقات جنگلی پھلوں، گولر وغیرہ سے پیٹ بھر لیا جاتا۔ طلبہ خود جنگل سے لکڑی لا کر روٹی پکاتے اور چٹنی سے کھاتے۔ یہ زمانہ مولانا الیاس کے بڑے مجاہدے اور ریاضت کا تھا۔ خدمت کیطرف خاص میلان تھا۔ حدیث کا درس دیتے، تو پہلے وضو کرتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے اور فرماتے کہ حدیث کا حق تو اس سے زیادہ ہے۔ حدیث پڑھاتے وقت کوئی معزّز آدمی آجاتا، تو درس چھوڑ کر اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ آہستہ آہستہ میوات کے وسیع و عریض علاقے میں دینِ حق کی تبلیغ اور اصلاح و تعلیم کے کام کا آغاز کیا اور اُسے اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اس طرح سرانجام دیا

کہ آج پُوری دُنیا میں تبلیغی جماعت کے افراد پھیلے ہُوئے ہیں اور مولانا الیاس کے مشن کی تکمیل میں دل و جان سے مصروف ہیں۔

مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ کے پوتے، مولانا محمّد یحییٰ کے فرزند اور مولانا محمّد الیاس کے بھتیجے مولانا محمّد زکریا صاحب، جو دُنیائے اسلام میں شیخ الحدیث کے باوقار نام سے معروف ہیں، ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حیات تھے۔ انہیں جب پوتے کے پیدا ہونیکی خوش خبری دی گئی، تو ان کی زبان سے بے اختیار نکلا: "ہمارا بدل آگیا۔" چنانچہ اس مہینے میں مولانا اسمٰعیل نے رحلت فرمائی اور یہ حقیقت ہے کہ دادا نے جس پوتے کو اپنا بدل فرمایا تھا وہ اس درجے کا بدل ثابت ہوا کہ اسے سلوک کے اہم اجزاء میں سے تجرّدِ عن الخلق اور یکسوئی کی نعمتیں بغیر کسی ریاضت کے بچپن ہی میں حاصل ہوگئی تھیں؛ اور بچپن بھی کیا، تین سال کی عمر تھی۔ زکریاؒ کے ذہن سے یہ خیال خارج ہو گیا کہ دُنیا میں کوئی چیز میری بھی ہے۔ اس عجیب و غریب واقعے کا ذکر شیخ الحدیث نے خود ان الفاظ میں کیا: "مَیں تین سال کا تھا۔ والدہ صاحبہ نے لال خوبصورت کپڑے کا تکیہ بنایا تھا اور وہ تکیہ مجھے اتنا محبُوب تھا کہ بجائے سر کے، وہ میرے سینے پر رہا کرتا تھا۔ مَیں اُسے پیار کرتا اور کبھی سینے سے چمٹاتا۔ ایک روز والد صاحبؒ نے آواز دے کر فرمایا: زکریا! مجھے تکیہ دے دے۔ مجھ میں محبّتِ پدری نے جوش مارا اور اپنے نزدیک انتہائی ایثار اور گویا دل پیش کر دینے کی نیّت سے مَیں نے کہا: 'اپنا تکیہ لاؤں؟' فرمایا: 'وہ لے آ۔' مَیں انتہائی ذوق و شوق میں کہ ابّا جان اس نیاز مندی اور سعادت مندی پر بہت خوش ہوں گے، دوڑا ہوا گیا۔ اُنھوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر دائیں سے میرے مُنہ پر ایسا زور سے تھپّڑ رسید کیا کہ آج تک تو اس کی لذّت بھُولا نہیں اور مرتے دم تک اُمید نہیں کہ بھُولوں گا، پھر یُوں فرمایا: اُبھی سے اپنے باپ کے مال پر یُوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں۔ کچھ کما کر ہی کہنا کہ اپنا لاؤں۔ اللہ کا شکر اور فضل و کرم ہے کہ اس کے بعد سے جب کبھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اپنا اس دُنیا میں کوئی مال نہیں۔"

اندازہ فرمایئے کہ جس کا تزکیہ بچپن ہی کی تربیّت میں ہو چکا ہو، اُس کی طویل عُمر کی ریاضت و ذکر سے قوّتِ نسبت اور رُوحانی عروج کا کیا حال ہو گا۔ یہی بات حضرت مولانا عبدالقادر رائے پُوری یُوں کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کی جہاں سے ابتداء ہوتی ہے، ہماری انتہاء ہوتی ہے۔

زکریا کی عُمر جب پانچ سال کی ہوئی اُن کے والد مولانا محمّد یحییٰ کے ایک شاگرد نے خواب دیکھا کہ کسی شخص نے زکریا کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ مولانا یحییٰؒ نے یہ تعبیر دی کہ اس بچے کو ثباتِ فی الدّین نصیب ہو گا، چنانچہ زکریا کی عمر جب تیرہ سال ہوئی، تو ان کے ایک خواب کی تعبیر میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے فرمایا: "عنایتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہے۔"

مولانا یحییٰ نے فرزندِ ارجمند کی تعلیم و تربیّت اس طریق سے شروع کی کہ رُو رعایت اور محبّت و شفقتِ پدری کو دخل انداز نہ ہونے دیا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ جو بچہ قطب العالم حضرت گنگوہی کی گود میں کھیلا ہو اور جس کا بچپن شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسی عظیم شخصیتوں کی خصوصی شفقتوں اور توجہات میں گزرا ہو، اس کے تعلق مع اللہ کا درجہ کس قدر بلند ہو گا۔ شیخ الحدیث خود فرماتے ہیں: "مجھے کبھی اپنے بچپن میں اچھا کپڑا پہننا یاد نہیں۔ اپنے ہوش سے پہلے والدہ نے پہنائے ہوں تو کہہ نہیں سکتا۔ اس زمانے میں ہر جمعے کو سر منڈانا بھی ضروری تھا کہ لمبے بال بھی زینت ہیں۔ کاندھلہ میرا وطن تھا، لیکن عمر بھر میں کبھی تین مرتبہ کے علاوہ ایک دو شب سے زیادہ قیام یاد نہیں بہت کم سنی ہی میں والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے ابتدائی کتابیں شروع کرا دی تھیں اور سبق یاد نہ ہوتا، تو مرمّت ہوتی۔ خود فرماتے تھے: زکریا! اگر تُو پٹتے پٹتے مر گیا، تو شہید ہو گا اور مجھے ثواب ہو گا۔ خود سوچیے کہ جس باپ کا نظریہ اپنے اکلوتے فرزند کے بارے میں یہ ہو۔ وہ تعلیم و تربیّت اور اخلاق و کردار کی نگہبانی میں کیا کسر چھوڑے گا۔ اُسی زمانے کا ذکر ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا۔ مغرب کے بعد لمبی نفلوں کی نیت باندھ

لی ۔ ابّا جان نے آکر زور سے تھپیڑ مارا اور کہا : "سبق یاد نہیں کیا جاتا ؟ میرے چچا مولانا الیاس اس زمانے میں لمبی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے ۔ اُس وقت تو مجھے ابّا جان پر بہت غصّہ کہ خود تو نفلیں پڑھتے نہیں اور دوسروں کو بھی نہیں پڑھنے دیتے ، مگر جلدی سمجھ میں آگیا کہ ان کی بات صحیح تھی ۔ وہ نفلیں بھی علم سے روکنے کے لیے شیطانی حربہ تھا۔"

پندرہ سال کی عمر تھی کہ مولانا یحییٰ نے زکریا کو ظاہری تعلیم کی دولت سے مالا مال کر دیا اور مزید تین برس میں وہ مقاماتِ باطنی بھی طے کرا دیے جو اَوروں کو برسوں کی ریاضت و مجاہدے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتے ۔ زکریا کا سن اٹھارہ برس کا تھا کہ مولانا یحییٰ نے حضرت شاہ عبدالرّحیم رائے پوری کو ایک خط میں لکھا : "اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔"

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے ، تو رہی سہی کمی پوری ہو گئی ۔ مولانا خلیل احمد صدر مدرّس تھے ۔ اُنھوں نے زکریا کو بڑی شفقت سے پڑھایا ۔ دوسرے اساتذہ میں مولانا عبداللطیف ناظمِ مدرسہ ، مولانا عبدالوحید سنبھلی ، مولانا محمّد الیاس اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں ۔ ان اساتذہ سے حدیث ، منطق ، فلسفہ ، صرف و نحو ، ادب ، فقہ اور ریاضی وغیرہ علوم و فنون کی تعلیم پائی ۔ اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں درس و تدریس کی خدمت مل گئی اور پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ قرار پائی ۔ مولانا شاہ عبدالرّحیم رائے پوری نے مدرسے میں سفارش کی کہ زکریا کی تنخواہ پندرہ روپے کم ہے ، کم از کم پچیس روپے ضرور ہونی چاہیئے۔ اور دوسری طرف زکریا سے شاہ صاحبؒ نے از راہِ شفقت ارشاد فرمایا : "مدرسے کی تنخواہ خطرے کی چیز ہے ۔ جب اللہ توفیق دے چھوڑ دیجیو ۔" چنانچہ شاہ صاحب ہی کی توجّہ اور شفقت کا اثر تھا کہ کچھ عرصے بعد اللہ نے تنخواہ چھوڑنے کی توفیق عطا فرما دی ۔ اُسی زمانے میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہو گیا ۔ ۱۳۳۴ھ میں زکریا کے والد محمّد یحییٰ نے وفات پائی ۔ اس وقت زکریا کی عمر اُنیس برس تھی ۔ والد نے آٹھ ہزار کا قرض چھوڑا تھا ۔ غمزدہ بیٹے نے اس موقع پر بڑی مردانگی اور بلند ہمّتی کا ثبوت دیا ۔ جن جن لوگوں کا قرض مولانا یحییٰ کے ذمّہ تھا ، ان کو خط لکھ دیے کہ مرحوم قرضے سے بَرّی ہیں ۔ وہ قرضہ زکریا ادا کرے گا ۔ دس برس کی مدّت میں حد درجہ تنگی ترشی اٹھا کر والد کا قرضہ ادا کر دیا۔

اُسی برس مولانا سہارنپوری حج سے واپس آئے ، تو ان کے حکم کی تعمیل میں زکریا نے بخاری و ترمذی دوبارہ ان سے پڑھیں۔ اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ خود شیخ الحدیث فرماتے ہیں : "جہاں تک مجھے یاد ہے شب و روز میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ سونا میسّر نہ آیا تھا ۔" ساری رات شرحِ حدیث کا مطالعہ کرتے ۔ اسی محنت اور انہماک فطری سعادت اور خوش بختی نے حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نظرِ انتخاب کو اپنی طرف متوجّہ کیا اور یوں زکریا کی زندگی میں ایک نئے دَور کا آغاز ہُوا ، اور سچ تو یہ ہے کہ شیخ و مرشدِ کامل کی اسی نگاہ نے زکریا کو قرب و اختصاص بخشا اور بالآخر شیخ الحدیث بنا دیا۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے ۱۳۳۵ھ میں ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کے نام سے لکھنے کا ارادہ فرمایا اور مولانا زکریا کو اس مقدس کام میں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

اس دوران میں وہ مدرسے میں طالب علموں کو اونچی کتابیں بھی پڑھاتے رہے ، حالانکہ عمر صرف بیس برس تھی ۔ بعض اوقات ان طلبہ کو بھی درس دیا جو حدیث کے اسباق میں اُن کے ہم درس رہے تھے ؛ یہاں تک کہ ایک دن مدرسے کے ناظم مولانا عنایت الٰہی صاحب نے بھی داد دیتے ہوئے فرمایا : "مولوی زکریا ، تم نے میری آنکھیں نیچی کر دیں ۔" دو سال کے اندر اندر مولانا زکریا کو مقاماتِ حریری ، سبعہ معلّقہ ، ہدایہ اوّلین ، حماسہ ، بخاری اور پھر مشکوٰۃ شریف بھی پڑھانے کو دی گئیں اور ان کتابوں کے پڑھانے میں اُن سے غیر معمولی قابلیت ، قوتِ مطالعہ اور فنی مناسبت کا اظہار ہوا — ظاہری درس و تدریس اور اپنے مرشد مولانا خلیل احمد کے زیرِ سایہ ابوداؤد کی شرح تیار کرنے کے دوران میں باطنی ترقیات کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اُنھوں نے جس سرعت سے سلوک کے مدارج طے کیے ، وہ اُنھی کا حصّہ تھا — خود مولانا زکریا نے خود کو مٹا کر ہر طرح اپنے آپ کو شیخ سہارنپوری کے سپرد کر دیا تھا۔

۱۳۳۵ھ میں مولانا زکریا کا نکاح کاندھلہ میں مولانا رؤف الحسن کی صاحبزادی سے ہوا ۔ مولانا رؤف الحسن کی ایک صاحبزادی مولانا زکریا کے چچا مولانا الیاس کے نکاح میں تھیں ۔ اس طرح مولانا زکریا اور مولانا الیاس آپس میں ہم زلف بھی تھے ۔ ۱۳۳۸ھ میں مولانا سہارنپوری نے پھر حج کا عزم کیا اور اس مرتبہ مولانا زکریا بھی اپنے شیخ کے ساتھ حج پر گئے ۔ رمضان المبارک میں پوری پوری رات حرم شریف میں عبادت کرتے ہوئے کٹتی تھی ۔ شوّال میں مولانا زکریا ، مدینہ منورہ حاضر ہوئے ۔ وہاں صرف تین دن قیام کا ارادہ تھا ، مگر بعض اسباب کی بنا پر ایک ماہ کا قیام رہا اور بے شمار انعاماتِ الٰہیہ سے سرفراز ہو کر ہندوستان واپس آئے ۔ انھی دنوں کرنال میں نواب عظمت علی خان نے ایک بڑا تبلیغی دار العلوم قائم کیا ۔ اور مولانا سر رحیم بخش صاحب کے ذریعہ خواہش ظاہر کی کہ حدیث پڑھانے کے مولانا زکریا اس دار العلوم میں آ جائیں ۔ مولانا رحیم بخش مرحوم ریاست بہاولپور کے صدر کونسل اور ایجنٹ تھے ۔ اُن کا تعلق گنگوہ ، رائے پور اور سہارنپور سے خادمانہ اور مخلصانہ تھا ۔ وہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سرپرستوں میں بھی شامل تھے ۔ اُن کی پیشکش تھی : ہر سال تین ماہ کی رخصت بلا وضع تنخواہ ، کھانے اور رہائش کا بندوبست مفت اور تنخواہ ماہانہ تین سو روپے ۔ اُس وقت مولانا زکریا مظاہر العلوم سے صرف بیس روپے ماہوار پاتے تھے ۔ ظاہر ہے تین سو روپے ماہانہ کی یہ پیشکش بہت بڑی تھی ، لیکن ایک نوجوان عالم کے لیے ، جو ذہانت کے جوہر سے آراستہ اور حدیث و ادب میں شہرت یافتہ تھا ، ایک زبردست آزمائش بھی تھی ، مگر توفیقِ الٰہی نے دستگیری کی اور جسے شیخ الحدیث کے لقب سے مقبولِ عام ہونا تھا اور جس سے اللہ کو حدیث کی خدمت ، طلبائے علومِ دینیہ کی تربیت اور ایک عالم گیر دینی تحریک کی سرپرستی اور مشائخ عصر کی جانشینی کا اہم کام لینا تھا ، اُسے اس معاملہ میں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی گئی اور مولانا زکریا نے نہایت سادگی سے یہ پیشکش قبول کرنے سے معذرت کر دی ۔ اگر وہ اثبات میں فیصلہ کرتے ، تو اُن کی زندگی کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا اور آج شاید یہ سطور لکھنے کی نوبت نہ آتی ۔

۱۳۴۴ھ میں مولانا سہارنپوریؒ نے پھر حج کا قصد فرمایا اور مولانا زکریا کو دوسری بار اپنے شیخ و مرشد کی رفاقت میں دوسرا حج نصیب ہُوا ۔ حج کا یہ سفر استاد و مرشد کی مسلسل و ہمہ رفاقت ، ایک عالی استعداد سرتاپا محبّت و اطاعت مسترشد کے لیے ، جس کے سفر کا اصل مقصد ہی شیخ کی خدمت و اعانت و استفادہ تھا ۔ جیسی روحانی و باطنی ترقیات اور حصولِ کمالات کا ذریعہ بنا ہو گا ، اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں ۔ مولانا زکریا نے مدینہ طیبہ کے طویل قیام میں بھی اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہنے اور "بذل المجہود" کی تالیف میں مدد دینے کے علاوہ کسی مشغلے اور دلچسپی سے سروکار نہ رکھا ۔ اس کام کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے امام مالکؒ کی مشہور کتاب موطا کی شرح بھی لکھنی شروع کی جو "اوجز المسالک" کے نام سے بعد میں چھ جلدوں میں مکمل ہوئی ۔ یہ کتاب مسجد نبوی میں عین مواجہہ شریف کے قریب لکھی جاتی تھی۔

مولانا سہارنپوری کا ارادہ یہ تھا کہ اب ہندوستان واپس نہ جائیں گے اور مدینہ طیبہ کی خاک ہی کو مرتے دم تک عزیز جان بنائے رکھیں گے ۔ خود فرماتے تھے "کہ اب تو میں بقیع میں مدفون ہونے کی نیت سے آیا ہوں ۔" مولانا زکریا نے بھی اپنے شیخ کے ساتھ مستقل طور پر مدینے ہی میں رہنے کی اجازت لینا چاہی ، مگر مولانا سہارنپوریؒ نے منظور نہ فرمایا اور مولانا زکریا کے لیے "شیخ الحدیث" اور "نائب ناظم" کے منصب کی تحریر لکھ کر ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو بھجوائی ۔ مدینے سے رخصت کرنے سے پہلے مولانا سہارنپوری نے چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی عام اجازت بھی عطا فرمائی ۔ اور اس کے لیے بڑا اہتمام کیا ۔ اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سیّد احمد صاحب مدنیؒ برادرِ بزرگ مولانا حسین احمد مدنیؒ کو دیا کہ وہ مولانا کے سر پر باندھیں ۔ جس وقت وہ عمامہ شیخ الحدیث مولانا زکریا کے سر پر رکھا گیا ، ان پر ایسی رقّت طاری ہوئی کہ چیخیں نکل گئیں ۔ حضرت سہارنپوری بھی آبدیدہ ہو گئے ۔ مولانا زکریّا نے بعض مجالس میں فرمایا : "عمامہ سر پر رکھتے ہی مجھے اپنے اندر کوئی چیز آتی محسوس ہوئی اس میں سمجھا انتقالِ نسبت کی شاید یہی حقیقت ہے ۔"

حجاز سے واپسی پر آپ ہمہ تن تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے ۔ ابوداؤد شریف

کا درس بھی آپ کے پاس آ گیا۔ تدریسی و تصنیفی مشاغل کے علاوہ، مدرسے کے انتظام میں بھی آپ شریکِ غالب، ناظم صاحب کے قوتِ بازو اور دستِ راست تھے۔ مدرسے میں مشائخ عصر اور اکابرِ سلسلہ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبدالقادر رائپوری، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی جیسے بزرگوں کے علاوہ مولانا فخر الدین پانی پتی اور مولانا اشرف علی تھانوی اور شاہ محمد یٰسین صاحب نگینوی سب کی بکثرت آمدورفت رہتی اور شیخ الحدیث سب کے معتمد علیہ، محبوب، مشیر اور محرمِ راز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو فطری جامعیت، اعتدال و توازن اور بے ہمہ و باہمہ ہونے کی صفت عطا فرمائی اس کی وجہ سے آپ کی ذات اور آپ کا مستقر سب کا مرکز اور سب کے لیے نقطۂ جامعہ تھا۔ کلیات سے لے کر جزئیات تک آپ اکثر مشیر و دخیل رہتے۔

اس کے ساتھ ساتھ مہمانوں کے ہجوم جو اس مقبولیت کا قدرتی نتیجہ تھے اور واردین اور صادرین کی کثرت سے دسترخوان کی وسعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور اس نے شیخ الحدیث کی مشغولیت میں اس قدر شدت پیدا کر دی جو بہت سے اکابر کے لیے بھی موجبِ حیرت بن گئی — اِدھر اللہ کا ان کے ساتھ یہ خاص معاملہ رہا کہ جو شیخ و مربّی دُنیا سے گیا، وہ اپنے متعلقین کو خود شیخ کے سپرد کر گیا یا کسی اشارۂ غیبی کی بنا پر یہ لوگ خود شیخ الحدیث کی طرف رجوع کرنے لگے۔ مولانا الیاس صاحب کا معاملہ تو گھر ہی کا تھا، لیکن ان سے پہلے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، ان کے بعد مولانا مدنیؒ، پھر مولانا عبدالقادر رائپوری اور سب سے آخر میں مولانا محمّد یوسف صاحب کی وفات کے بعد ان سب حضرات کے اکثر اہلِ ارادت اور اہلِ تعلق نے حضرت شیخ الحدیث ہی کو اپنا روحانی سرپرست، مشیر و رہنما، اپنے مشائخ کا جانشین اور وارث و امین سمجھا۔ پھر خصوصیت سے مولانا محمّد یوسف کی رحلت کے بعد تبلیغی حلقے کا آپ ہی مرجع اور مرکز بن گئے۔ جس نے اب عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے۔ اور ہندوستان سے متجاوز ہو کر ایک طرف مراکش اور دوسری طرف انڈونیشیا اور پھر یورپ و امریکہ تک پھیل گیا ہے۔ اس سلسلے کو باقی رکھنے، اس زمانے کے خطرات اور اس دور کے فتنوں سے بچانے، اسکے مسلک و اصول کی حفاظت، اس کے سرگرم کارکنوں کی دینی نگرانی اور روحانی تربیت و تکمیل کی ساری ذمّے داری کا بوجھ آپ ہی کے کاندھوں پر پڑ گیا تھا۔

تیسرا حج شیخ الحدیث نے ۱۳۸۴ھ میں کیا۔ اس سفرِ حج میں مولانا محمد یوسف بھی آپ کے ساتھ رہے۔ واپسی میں پاکستان بھی کچھ عرصہ قیام رہا اور یہاں کے مہجور و محروم عقیدتمندوں نے جو سالہا سال سے زیارت کو ترس رہے تھے، یہ موقع خدا داد نعمت تصوّر کیا اور شیخ کے سفرِ حج کی برکت سے ان دور افتادہ خدّام و محبّین کی قسمت بھی جاگ اُٹھی۔ اُنہوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا۔ چوتھا مولانا محمّد یوسف کی وفات کے بعد ۱۳۸۶ھ میں ہوا۔ مکّہ معظمہ میں قیام حسب سابق مدرسہ صولتیہ میں رہا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمتِ خلق، یکسوئی اور شدید مصروفیّت کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں اُن علمائے سلف کی یادگار تھی جن کا ایک ایک لمحہ عبادت و خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کے لیے وقف تھا اور جن کے کارنامے دیکھ کر اُن کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی، بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی حیرت کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ ان کی شب و روز کی مصروفیات ایسی تھیں جن سے ایک عامی بھی اندازہ کر سکتا تھا کہ اللہ والوں کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں اور کیا ہونی چاہیئں۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں مخلوق کی خدمت تھی یا اپنے خالق کی اطاعت اور عبادت۔ نمازِ فجر اوّل وقت پڑھ کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آرام فرماتے تھے اور یہی سونے کا ایک وقت تھا۔ دن بھر قرآن مجید کا دور رہتا۔ عصر کی مجلس جمعے کے دن ملتوی رہتی۔ جمعۃ المبارک کو برسوں سے معمول تھا کہ عصر و مغرب کے مابین دُعا میں مشغول اور متوجّہ الی اللہ رہا کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹے میں برائے نام غذا لیتے مہمانوں کے ساتھ دسترخوان پر شروع سے آخر تک برابر بیٹھتے، مگر غور سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا کہ شیخ برائے نام شریک ہیں۔ ان کی خوراک اتنی کم ہوتی کہ اس مقدار کے ساتھ اتنی محنت پر تعجّب ہوتا! تاہم دسترخوان پر وہ ایسا سماں باندھتے کہ کسی

کو پتا نہ چلنے پاتا کہ کریم النفس اور فراخ دل میزبان خود کس قدر اس کھانے میں شریک تھا۔

جب تک صحت نے ساتھ دیا، بلکہ بعض اوقات ضعف اور نقاہت کے عالم میں بھی، بخاری شریف کا درس دیا۔ اس درس کی کیفیت بھی دیدنی تھی نہ کہ شنیدنی۔ حدیث کے احترام، سُنّت سے شغف اور ذاتِ نبوی سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا۔ اور بعض مرتبہ تو پوری مجلس پر ایک بجلی سی کوند جاتی۔ خصوصاً ختمِ کتاب اور دُعا کے موقع پر تو یہ پیمانہ ہزار وسعت و عالی ظرفی کے باوجود چھلک پڑتا، اسی طرح وفاتِ نبویؐ کی احادیث پر دامنِ ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔ آنکھیں بے اختیار اشکبار اور گلوگیر ہو جاتی۔

تصنیف و تالیف کی نشست گاہ دیدنی تھی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ تھا گویا در و دیوار اُنہی کے ہیں۔ ان کتابوں کے درمیان بمشکل ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی۔ شیخ الحدیث جب اپنی جگہ پہنچ جاتے اور ان کتابوں کے درمیان "پناہ" لیتے، تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی پرندہ اپنے آشیانے میں واپس آ گیا ہو۔ اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنے کے لیے اُن کے پاس جانا پڑتا، تو بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر، ایک آدھ چمڑے یا چٹائی کا فرش، کچھ پرانی شیشیاں اور دواؤں کی بوتلیں، گرد، جس میں معلوم نہیں علم کا کتنا جوہر اور اخلاص کی کتنی تب و تاب ہوتی۔

شیخ الحدیث اپنی زندگی کے آخری برسوں میں مستقل طور پر سرزمینِ حجاز کو ہجرت فرما گئے تھے۔ جہاں بالآخر دلی آرزو بر آئی اور وہ مدینہ منوّرہ کی متبرک و مقدّس زمین ہی میں آسودہ ہوئے۔ مُبارک ہیں وہ شب و روز جو ایک دُھن، ایک نصب العین اور ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کی خاطر گزر جائیں۔ شیخ الحدیث کچھ کم، ستّر کے پیٹے میں تھے، لیکن ہوش و حواس لمحۂ آخر تک برقرار رہے۔ اُن کی سب سے نمایاں صفت اور اقران و معاصرین میں ان کا امتیاز، وہ عالی جوہر، بلند استعداد اور ہمّت تھی جو اللہ نے اُنہیں عطا فرمائی تھی۔ ان کی اس علوئے استعداد کی شہادت بڑے بڑے اہلِ نظر نے دی اور بلاشبہہ اس صفت کے بغیر یہ ترقیات اور کمالات ممکن نہیں۔ علم و تصنیف کا میدان ہو یا عبادت و قربِ الٰہی کا، خدمت و مہمانداری کا ہو یا زُہد و توکّل کا، ہر جگہ شیخ کی بلند ہمتی کے جوہر عیاں ہیں۔ دُنیاوی مال و دولت کو اُنہوں نے کبھی توجّہ کے قابل اور لائقِ التفات نہ جانا۔ بیش قرار تنخواہیں اور زرّیں مواقع اُنہوں نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیئے۔ مہمانوں کی کثرت، مصارف کی زیادتی، ہجومِ افکار و تردّدات کی روز افزوں ترقی، پے بہ پے جانکاہ حادثات اور جان سے زیادہ عزیزوں اور بزرگوں کی وفات کے داغ کے داغ اور صدمے ہیں جن کا برداشت کر لے جانا اور ان سب کے باوجود زندگی کے معمولات، طبیعت کی شگفتگی اور مہمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں فرق نہ آنے دینا، غیر معمولی استعداد اور ہمّتِ خداداد کے بغیر ممکن نہیں۔ اُنہوں نے اپنے لباس، اسبابِ خانہ داری اور اپنے تمام ذاتی معاملات میں قناعت، زہد و توکّل، بے اعتنائی اور وارستہ مزاجی سے تمام زندگی کام لیا۔ مروّجہ سیاسیات میں کبھی وقت ضائع نہ کیا۔ کانگرس اور مُسلم لیگ کے شدید اختلاف، دیوبند اور تھانہ بھون کے بُعد کے دور میں بھی شیخ الحدیثؒ دونوں جگہ محترم و محبوب رہے اور ان کی ذات تمام تنازعات اور کشاکشوں سے الگ تھلگ رہی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ مختلف مذاق کے لوگ اور مختلف مشائخ سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی علمی و عملی مشکلات اور الجھنوں کے موقع پر شیخ الحدیث کی طرف رجوع کرتے جن سے انہیں اطمینان بخش اور فیصلہ کُن جواب ملتا۔

سرزمینِ مقدّس اور دیارِ حبیبؐ سے اُن کی رُوح اور قلب کو جو تعلق تھا اُسے بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ اِسی محبّت و اخلاص نے شیخ کے درس، ان کی تصنیفات اور ان کے بیعت و ارادت کے تعلق میں وہ تاثیر اور وہ کیفیّت پیدا کر دی تھی جو اہلِ عشق کے ساتھ مخصوص ہے۔

زمینِ حرم کی کس قدر عظمت و محبّت شیخ الحدیث کے قلب میں تھی۔ اسکے بہت سے واقعات درج کیے جا سکتے ہیں، لیکن مشتے نمونہ از خروارے دو واقعات ہدیۂ قارئین ہیں: ایک مرتبہ حج کے زمانے میں شیخ کے معلّم سیّد مکی مرزوقی کی کار

حضرت کو حرم لے جانے اور لانے کے لیے مقرر تھی ۔ ایک دن نماز کے بعد شیخ حرم شریف سے باہر آئے ، لیکن وہاں موٹر موجود نہ تھی ۔ ڈرائیور کو کہیں دیر ہو گئی تھی ، خدام نے دوسری موٹر لانے کے لیے عرض کیا ، مگر منظور نہ فرمایا اور کہا بعد میں وہ بیچارہ آئے گا ، تو اُسے پریشانی ہو گی ۔ ہم انتظار کر لیتے ہیں ، مگر حضرت شیخ کو ضعف اور معذوری کے باعث کھڑے رہنا دشوار تھا ، وہیں زمین پر بیٹھنے کا ارادہ کیا ، تو خدام نے فوراً اپنے مصلے بچھانا چاہے ، مگر شیخ نے اسے قبول نہ کیا اور بلا تکلف زمین پر بیٹھ گئے ۔ خدام نے جب اصرار کیا ، تو فرمایا : تم اپنے لیے بچھا لو ، مَیں تو یہاں کا غلام ہوں ، زمین ہی پر بیٹھوں گا ۔"

مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام میں روزانہ کئی کئی گھنٹے بیٹھنا ہوتا ۔ حضرت شیخ معذوری کی وجہ سے چار زانو ہی بیٹھ سکتے تھے ۔ پاؤں پر کمبل ہوتا تھا ، لیکن حضرت کا شدید اہتمام یہ ہوتا کہ پاؤں کا رُخ کسی حال میں بھی روضہ شریف کی طرف نہ ہو ، حالانکہ چار زانو نشست میں پاؤں سیدھے ہی نہیں ہوتے جسے عرفِ عام میں پاؤں سامنے کرنا کہا جاتا ہے ، صرف اُنگلیوں کا رُخ ہوتا ہے ، مگر شیخ اسے بھی کسی طرح گوارا نہ کرتے ۔

"فضائل حج" میں شیخ الحدیثؒ نے خود لکھا ہے : "مسجد نبویؐ میں سب سے افضل جگہ مصلّٰی شریف کی ہے ۔ جس کے ساتھ استوانہ حنانہ ہے ۔ اگر ممکن ہو ، تو زائر کو یہاں پہلے دو نفل پڑھنا چاہئیں ۔" غور فرمایئے ۔ ۱۳۴۴ھ میں شیخ کا قیام یہاں سال بھر رہا ، مگر آپ فرماتے ہیں : "مجھے سال بھر میں کبھی وہاں کھڑے ہونے کی جرأت نہ ہوئی ۔" اور اس کے بعد جب برابر حاضری ہونا شروع ہوئی ، تو دیکھا گیا کہ صرف پہلی بار ۱۳۸۳ھ میں شیخ نے مواجہہ شریف پر حاضری دی ۔ اس کے بعد اقدامِ عالیہ کی طرف دیوار کے ساتھ ، جہاں عام طور پر فقراء بیٹھتے ہیں ، وہیں سے کئی گھنٹے صلوٰۃ و سلام پڑھتے رہے ۔ عشار کے بعد واپسی پر ریاض الجنّہ میں دو نفل پڑھتے ۔ کسی نے خیال کیا شاید حضرتِ شیخ ہجوم کی وجہ سے مواجہہ شریف پر نہیں جاتے اس لیے عشار کے بعد عرض کیا : "اب وہاں ہجوم نہیں ، حاضری دے لیں ۔" فرمایا : "کل حاضری دے دی تھی ۔" اگلے روز دوبارہ عرض کیا گیا ، تو آب دیدہ ہو کر فرمایا : "بھائی! سامنے جانے کی مجھ میں ہمّت نہیں ، کس مُنہ سے جاؤں ؟ پہلی دفعہ تو مولانا سیّد اسعد کے ساتھ حاضر ہو گیا تھا ۔"

۱۸ر محرم ۱۳۹۷ھ کو شیخؒ نے ایک خط کے جواب میں لکھوایا : "حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی تمنّا تو مُبارک ہے ، مگر یہ وہبی چیز ہے ۔" پھر ایک عزیز سے کہا : "مجھے خواب میں تو کئی دفعہ زیارت ہوئی ، لیکن خود اس کی تمنّا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی ۔ خیال ہوتا ہے کس مُنہ سے حضورؐ کے سامنے جاؤں ؟"

شیخؒ کے وصال کے بعد اُن کے ایک عقیدت مند اور مُرید صوفی محمّد اقبال صاحب مدنی نے ان چالیس مکاشفات و مبشرات کا ایک پاکیزہ مجموعہ "بہجتہ القلوب" کے نام سے ترتیب دیا جو مدینہ منوّرہ میں قیام کے دوران میں گزشتہ برسوں میں شیخ الحدیث کو نصیب ہوئے اور جنہیں انہوں نے اپنے ذاتی روزنامچے میں درج کر دیا تھا ۔ ان مکاشفات و مبشرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور نبیؐ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کس قدر شفقت اور عنایت شیخ الحدیث نوّراللہ مرقدہٗ کو حاصل تھی ۔

آج صبح جمعتہ المبارک ، رجب ۱۴۰۱ھ احقر محمّد اقبال ، حضرت شیخ زید مجدہم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ دیکھا کہ حضرت بہت خوش تشریف فرما ہیں ۔ فرمایا : "آج بہت اچھا خواب آیا ۔ پھر مندرجہ ذیل خواب سنایا جسے حضرت کے روزنامچے سے نقل کرتا ہوں :"

"رات کو نیند تو کئی روز سے نہیں آ رہی تھی ، مگر کسی وقت اُونگھ سی آ جاتی ہے ۔ شب میں زکریا نے خواب دیکھا کہ میری "اوجز المسالک" شرح موطا امام مالکؒ کا مسوّدہ پُورا ہو گیا اور مَیں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کرنے کو چلا داہنی طرف علامہ زرقانیؒ اور بائیں طرف علامہ باجیؒ میرے ساتھ ساتھ ہیں ۔ مَیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا ، تو حضور کے ہاتھ میں "اوجز" کے مطبوعہ فارم تھے اور وہی تھے جن کا مسوّدہ مَیں لے کر گیا تھا ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم بہت مسرّت فرما رہے تھے اور بہت دُعائیں دیں جو مجھے یاد نہیں ۔ اس خواب سے بڑی مسرّت ہوئی ۔ "اوجز" کے بارے میں مقبول ہونے کی اُمید ہوئی ۔

۲۹ر شوال ۱۳۹۵ھ کی شب حضرۃ شیخ کو سیّدالکونین صلّی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ۔ ارشاد فرمایا : "وہ لاؤ اور سناؤ ۔" رسالے کا نام تو یاد نہیں رہا ، لیکن وہ عربی زبان کی فوقیت و فضیلت پر تھا ۔ اُسی وقت خواب ہی میں رسالہ لکھنے کا ارادہ ، بلکہ افتتاح بھی کر دیا ۔ بہت روایات اور مضامین ذہن میں آئے اور بڑی اچھی ترتیب بھی آئی ، مگر صحیح تفصیل یاد نہ رہی ؛ چنانچہ ارادہ کر لیا کہ انشاء اللہ مدینے پہنچ کر تکمیل کروں گا ۔"

حضرت شیخ نے ایک رویائے صالحہ میں خود نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظِ مبارک سُنے : "مجھے ان کی یہ ادا بہت پسند ہے کہ یہ وقت ضائع نہیں کرتے ۔" حضرت شیخؒ عاشقانہ انداز میں تواضع ، عاجزی اور تذلل کے ساتھ حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی جانب بیٹھتے تھے اور سرورِ پیغمبرانؐ آپ کو اپنے قُربِ خاص اور دیگر مقاماتِ عالیہ سے مشفقانہ طور پر نوازتے اور سرفراز فرماتے ۔ حضرت شیخؒ کا ہمہ وقت مشغول رہنا اور کوئی لمحہ ضائع نہ کرنا بچپن ہی سے فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی ۔ آپ کی مبارک زندگی اس مشغولی کی شاہدِ عدل ہے ۔ ایک بزرگ کے مکاشفے میں سرورِ کائنات نے فرمایا : "وہ ، یعنی شیخ الحدیثؒ میرے قریب ہیں اور مَیں اُن کے قریب ہوں ۔" ۴ر رجب ۱۳۹۸ھ بروز جمعتہ المبارک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مولانا عبدالحفیظ صاحب سے مکاشفے میں فرمایا : "زکریا کی خدمت کرتے رہو ، اس کی خدمت میری ہی خدمت ہے ۔" یہ بھی ارشاد فرمایا ، "مَیں اکثر اس کے حجرے میں جاتا رہتا ہوں ۔" ۱۹ر رجب ۱۳۹۸ھ بروز اتوار مغرب کے بعد ایک بزرگ نے روضۂ اقدس پر مراقبے میں دیکھا کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم نے کنجیوں کا گچھا عطا کیا اور فرمایا : "یہ رحمت کے خزانے کی کنجیاں ہیں ۔ شیخ کو دے دو ۔"

۱۰ر صفر ۱۴۰۰ھ دوپہر کو نبیؐ برحق صلی اللہ علیہ وسلم مدرسہ علومِ شرعیہ کے کمرے میں تشریف لائے ۔ حضرت شیخ الحدیث کا قیام اس مدرسے میں رہتا تھا ۔ حضورؐ نے فرمایا : "اُنہیں ظہر کی نماز پڑھانے آیا ہوں ۔" ۲۸ر ذالحج ۱۳۹۹ھ شنبہ کی رات صلوٰۃ و سلام کے بعد ایک بزرگ نے دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے ہیں اور حضورؐ بہت محبت سے ان کی طرف دیکھ کر فرما رہے ہیں : "ہذا شیخ المشائخ المحبّین ۔"

حضرت شیخ نوّراللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے : جب میں ہندوستان میں تھا اور بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہونے کی سعادۃ حاصل نہ ہوئی تھی ؛ البتّہ اشتیاق ازحد تھا اس زمانے میں خواب میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مجھے زیارت ہوئی ۔ دیکھا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرّہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں ۔ اُنہوں نے آپؐ سے شکایت کی کہ زکریا کو آپؐ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہو رہا ہے ، لیکن میرا یُوں جی چاہتا ہے کہ کچھ اور کام اس سے لے لیا جائے ۔ حضورؐ نے فرمایا : "ہاں اُسے یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے ، مگر میرا بھی جی یونہی چاہتا ہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے ۔ اس خواب کے بعد مَیں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ مَیں کسی کام کا نہیں ، ساری عمر یونہی بے کار ضائع کی ۔ اب کیا کام کر لُوں گا ؟ اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق میں کیا کروں ؛ میرا مُنہ حاضری کا ہے ہی نہیں ، مگر چند دنوں کے بعد چچا جان کا واقعہ یاد آیا کہ جب چچا جان حضرت مولانا محمّد الیاس صاحب مدینہ منوّرہ آئے ، تو ان کا ارادہ یہیں رہ جانے کا ہوا ۔ روضۂ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان واپس جاؤ ۔ تم سے کام لینا ہے ۔ چچا جان نے فرمایا ، مَیں بہت دن تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا ، تقریر مجھے نہیں آتی ، مَیں ضعیف کیا کام کروں گا ؟ کچھ عرصے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے بڑے بھائی مولانا سیّد احمد صاحب نے جب چچا جان کو پریشان دیکھا ، تو فرمایا "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو ، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ تم سے کام لیا جائے گا ۔ کام لینے والا خود کام لے لے گا ۔ اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا ۔ ہندوستان واپس آکر تبلیغی کام شروع کیا اور ماشاء اللہ خُوب چلا ۔ مَیں نے بھی سوچا کہ حضورؐ نے یوں نہیں فرمایا کہ تُو کام کر ، بلکہ یہ فرمایا کہ تجھ سے کام لیا جائیگا ۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ تعالےٰ

نے جن خصائص و امتیازات سے نوازا، اُن کی ایک اہم نعمت آپ کی تصانیفِ عالیہ اور تالیفِ مبارکہ ہیں جن کی تعداد سو۱۰۰ کے قریب ہے۔ یہ کتابیں دو مختلف قسم اور طرز کی ہیں۔ اوّل: خالص علمی و تحقیقی — دوم: خالص دعوتی و اصلاحی۔ اکثر عربی زبان میں ہیں اور ان سے راسخین فی العلم فیض اٹھا سکتے ہیں۔ ان کتابوں کے مباحث بڑے عالمانہ اور محققانہ ہیں۔ ان میں اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ پندرہ جلدیں، لامع الدراری شرح بخاری شریف دس جلدیں، کوکب الدراری شرح ترمذی شریف چار جلدیں، بذل المجہود شرح ابوداؤد بیس جلدیں۔ اور تراجم بخاری جیسی کتب۔ نصف صدی سے زائد مدت کے اشتغال حدیث میں یہ بیش خدمت شروحاتِ حدیث وجود میں آئیں۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان کے لکھنے اور مرتب کرنے میں کیسی کیسی قربانیاں حضرة شیخ الحدیثؒ کو دینی پڑیں۔ کیسے کیسے اونچے عہدے اور بیش قیمت تنخواہوں کے وعدے اِن کتابوں کی خاطر ٹھکرائے گئے اور کسقدر لذاتِ دنیا، جوانی کی اُمنگوں اور خواہشوں کو پامال کرکے حدیث شریف کے ان جواہر پاروں کو اہلِ علم تک پہنچایا گیا۔ یہ امر کسقدر حیرت کا باعث ہے کہ شیخ الحدیث کے دونوں طرزِ تصنیف حد درجہ مؤثر اور کامیاب ثابت ہوئے۔ پہلے طرز کے نمونے کی مثالیں اُوپر درج کی گئیں، دوسرے طرز کا نمونہ حکایاتِ صحابہؓ اور فضائل کی مقبولِ عام کتابیں ہیں۔ فضائلِ نماز، فضائلِ رمضان، فضائلِ ذکر، فضائلِ قرآن، فضائلِ حج، فضائلِ صدقات، فضائلِ تبلیغ اور فضائلِ درود وغیرہ وغیرہ۔ ان دونوں طرزوں کی جامع شمائلِ ترمذی کا ترجمہ و شروح "خصائلِ نبویؐ" ہے۔ حضراتِ اہلِ علم کے بعد دوسرا طبقہ دیندار اور دین پسند عوام کا ہے۔ اُن کے لیے شیخ الحدیثؒ کی بہت سی تصانیف عام فہم اُردو زبان میں ہیں۔ تبلیغی نصاب ان سب میں ممتاز اور عالمگیر ہے جو نو کتابوں پر مشتمل ہے۔ اِن میں قرآن و حدیث سے دین کا شوق پیدا کرنے والے مضامین اور واقعات ہیں۔ اس نصاب کی اشاعت لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ملکی اور غیر ملکی سب زبانوں میں اسکے ترجمے ہو گئے ہیں۔ اس نوع کی تصانیف کا سلسلہ شیخ کے انتہائی معذوری اور ضعیفی کے دور میں بھی جاری رہا۔ کتابوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں علمی و اصلاحی خطوط کا سلسلہ بھی ہے جن سے لاکھوں لوگ بقدر ضرورت فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ تمام علمی و عملی کمالات ظاہر و باہر ہیں۔ اسی طرح بے مثال ریاضت، اتباعِ سنت، زہد و قناعت، تقویٰ و تواضع، ایثار و قربانی، سخاوت و تحمل اور متضاد کمالات کا جمع وغیرہ — واقعات حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح میں بیشمار ہیں، بلکہ یہ کہنا قطعی مبالغے سے پاک ہو گا کہ خود حضرتؒ کی زندگی ایک کرامت تھی اور یہ واقعہ ہے کہ ان سب کمالات کا حقیقی اعتبار تعلق باللہ اور قبولیت

تاثرات

حضرت مولانا محمد غوث پشاوری قدس سرہٗ اور ان کا عظیم کارنامہ

ایڈیٹر کے قلم سے

مشہور تاریخی قصبہ حسن ابدال سے آپ پشاور کی طرف جی۔ ٹی روڈ پر چلتے جائیں تو چند میل کے بعد ایک سٹاپ آتا ہے "ہٹیاں" اس کا نام ہے، یہاں سے ایک سڑک مشرق کو پھٹتی ہے جو تربیلا کی طرف چلی جاتی ہے۔ تربیلا تو خیر اب کی بات ہے اس سے پہلے اس سڑک پر حضرو، بھبودی، غورغشتی وغیرہ اہم قصبات آتے ہیں یہ تمام قصبات "علاقہ چھچھ" سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ حضرو اس علاقہ کے ۸۴ گاؤں اور قصبات کا مرکزی مقام ہے، یہ علاقہ دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اور اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے بڑا اہم ہے، کاروانِ حضرت امیر المجاہدین السید احمد بریلوی قدس سرہٗ کا حضرو میں وارد ہونا اور وہاں جنگ کرنا تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے ویسے اس علاقہ میں چپہ چپہ پر سید صاحب کے جاں نثار خدام کے مزارات موجود ہیں۔ اس علاقہ کی دوسری خصوصیات کے علاوہ اس کی ایک عجیب و غریب خصوصیت علماء و فضلاء کی بہتات ہے اس وقت بھی اس علاقہ کے متعدد نامی گرامی علماء مختلف مقامات پر معروف خدمت ہیں مثلاً مولانا عبدالحنان آف ناحک مقیم اوکاڑہ، مولانا عبدالقدیر صاحب آف موہن پور مقیم راولپنڈی، مولانا ضیاء الحق صاحب آف نور پور مقیم لاہور، مولانا منظور الحق صاحب آف نور پور مقیم انگلینڈ، مولانا کریم اللہ اور مولانا ظہور الحق آف دامان مقیم لاہور، مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب آف بھبودی مقیم کراچی، مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب آف شمس آباد مقیم اٹک وغیرہ ذالک۔

قریبی دور میں اس خطہ کے جو عظیم المرتبت علماء اس دنیا سے رخصت ہوئے ان حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتی خلیفہ ارشد حضرت مولانا حسین علی صاحب وان بھچراں، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب بھبودی مدرس اعلیٰ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا عبدالحنان صاحب موہن پور، مولانا عبدالدیان صاحب دامان، مولانا غلام محمد حسین صاحب نور پور، مولانا مفتی محمد عمر صاحب کابل پوری، مولانا مفتی محمد عمر شمس آباد، مولانا حبیب الرحمن اولسیہ، مولانا فضل الرحمن صاحب بھبودی اور مولانا غلام اللہ خان صاحب آف دریہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ بہرحال کس کس کا نام لکھا جائے اور کس کس کا ذکر کیا جائے، علم و فضل کے یہ لوگ پہاڑ تھے۔ زندگی کے مختلف دائروں میں ان کی عظیم الشان خدمات تھیں، بہت سے حضرات ایسے ہیں جن سے راقم کو ذاتی طور پر نیاز حاصل تھا اور وہ مجھ پر بے حد مہربان تھے — ان تمام حضرات کی زندگیوں پر لکھنا اور ان کی خدمات سے خلقِ خدا کو واقف کرانا یقیناً بہت بڑی ضرورت ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ ایسا کیا جائے — لیکن اس وقت مجھے ایک خاندان اور اس کے بھی ایک خاص فرد کا بطور خاص ذکر کرنا ہے جن کا اسم گرامی مولانا محمد غوث پشاوری تھا جو آج سے قریباً دو صدی قبل اس دنیا سے رخصت ہوئے ان کا سن وفات ۱۲۱۳ھ ہے۔ آپ کے والد مرحوم کا نام مولانا محمد فائق تھا اور یہ حضرات اصل میں افغانستان کے باشندہ تھے — مولانا محمد فائق افغانستان سے پشاور تشریف لائے تو مولانا محمد غوث بھی یہیں تشریف لے آئے یہیں آپ کا انتقال ہوا اس لئے آپ پشاوری مشہور

مولانا محمد غوث پشاوری نے سال کی محنت شاقہ کے بعد قرآن عزیز کا انتہائی خوبصورت نسخہ کتابت کیا، حواشی پر جابجا تفسیری اور علمی اقوال لکھے، اس نسخہ مبارکہ کو ان کے اخلاف نے عکس لے کر شائع کر دیا ہے

ہوئے ــــ ان کے صاحبزادے حافظ رفیع الدینؒ کی اولاد چھچھ کے قصبات غرشین اور نور پور آکر آباد ہو گئی اور اب تک وہیں آباد ہیں۔ حافظ صاحب کے پڑپوتے مولانا غلام محمد حسین نے ۱۳۲۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ العالم مولانا محمود حسن قدس سرہ سے دورہ حدیث پڑھا، پھر اس خاندان کے ایک دوسرے بزرگ مولانا محمد ضیاء الحق صاحب نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ سے استفادہ کیا آپ مدتوں جامعہ اشرفیہ لاہور، مدرسہ اشرفیہ سکھر تدریس کے بعد آجکل دار العلوم عثمانیہ رسول پارک لاہور میں مدرس اعلیٰ ہیں۔ جبکہ اسی خاندان کے مولانا غلام محمد عزیز نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے اور مولانا حامد محمود نے فتح پوری دہلی سے فراغت حاصل کی، جبکہ حافظ منظور الحق، مولانا غلام مصطفیٰ اور حافظ محمد فائق سب حضرات نے جامعہ اشرفیہ سے دورہ حدیث پڑھا۔ اول الذکر کئی سالوں سے انگلینڈ میں ہیں اور ٹھوس دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ثانی الذکر سعدی پارک لاہور کی خطابت کے ساتھ ساتھ رسول پارک کے دار العلوم عثمانیہ کو خوبی سے چلا رہے ہیں اور ثالث الذکر اپنے گاؤں میں مصروف خدمت دین ہیں۔

مولانا محمد غوث صاحب قدس سرہٗ خاندانی تذکروں کے مطابق جامع العلوم بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین خطاط تھے اور غالباً دَور سابق کے علماء کی یہ مسلمہ خوبی تھی ــــ مولانا نے اپنے شیخ گرامی مولانا حافظ محمد صاحب (م ۱۲۰۶ھ) ساکن کلا ڈھیر تحصیل چارسدہ (پشاور) کے ایمائ سے قرآن کریم کی کتابت کی، ۹۷۲ صفحات ہیں۔ مولانا نے اس کی تکمیل ۱۹ ربیع الاوّل ۱۱۸۸ھ کو کی جیسا کہ آپ نے خود آخر میں لکھا ہے۔

اس مصحف مبارک کا فنی تعارف کراتے ہوئے ہمارے ملک کے نامور خطاط سید انور حسین نفیس رقم خلیفہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ صفحہ کا طول ۱۰ انچ اور عرض پونے چھ انچ ہے جدول سرخ، طلائی، نیلگوں ہیں، سیاہ اور متن کا سائز ۷×۴ ہے اور اطراف کا حاشیہ تقریباً سوا انچ ہے، خط خراسانی اور کاغذ بخاری ہے جبکہ حاشیہ شکستہ نستعلیق میں لکھا ہے ہر صفحہ کی سطور ۱۱ ہیں اور بین السطور جو تفہیمی نکات ہیں وہ بھی نستعلیق میں ہیں لیکن خفی۔ ابتدائی دو صفحات مذہب و منقش ہیں۔ سورتوں کے عنوانات خط نسخ شنگرفی، آیتوں کی علامات طلائی، مدات اور رموز اوقاف شنگرفی، رکوع شنگرفی، طلائی دائرے میں علامات جز سرخ اور طلائی دائرہ، ہر پارہ کے ابتدائی الفاظ سرخ روشنائی اور سورتوں کا آغاز سرخ الفاظ کے ساتھ ہے جبکہ دائرے طلائی ہیں پارہ کی ابتداء صفحہ سے ہوتی ہے کبھی کبھی درمیان صفحہ سے بھی ہوا ہے متن قرآنی موجودہ انگریزی نب کے ۴ نمبر کے برابر ہے، سجدوں کے نشان حاشیہ میں سرخ روشنائی سے طلائی دائرہ کے نیچے لکھے ہوئے ہیں۔ پارہ ربع و نصف و ثلث کی علامات حاشیے میں سرخ روشنائی سے تحریر ہیں ــــ

> آج مطبع کے دَور میں نفیس سے نفیس نسخہ ہائے قرآنی گھر گھر موجود ہیں لیکن اس دَور پر نظر ڈالیں جب یہ سامان و اسباب نہ تھے لیکن بلانو شانِ محبت نے راتوں کا سکون اور دنوں کا آرام تج کر قرآن عزیز کی خدمت میں عمریں گزار دیتے تھے

اس تفصیل کو ذرا پڑھیں اور سوچیں کہ اس بندۂ مومن نے کتنی لگن، خلوص اور محنت کے ساتھ یہ کام کیا ہو گا۔ مولانا منظور الحق علوی آپ کے خاندان میں صاحب صلاحیت و استعداد، بیدار مغز عالم دین ہیں اور آجکل برمنگھم (انگلینڈ) میں مقیم ہیں انہوں نے مقدمہ کی ابتدائی سطور میں لکھا ہے اور بالکل بجا کہ: ــــ آج کے ان جدید مطابع کے سبب قرآن مجید کے نفیس سے نفیس تر نسخے ہر گھر میں موجود ہیں لیکن آپ نے کبھی اس دَور کے بارے میں بھی سوچا ہے جب پریس کی موجودہ ترقی نہ تھی اور لوگوں کی ایمانی محبت و عقیدت قرآن مجید کے ساتھ آج سے کئی گنا زیادہ تھی۔

یہ الفاظ بالکل حقیقت کے غماز ہیں اور قرآن عزیز کے اس نسخہ کو دیکھ کر اس محبت و عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا اور پھر محض متن قرآنی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ جابجا علمی اقوال ہیں، تفسیری جملے ہیں اور تفسیر کا نام لکھدیا ہے۔ گویا بقول مولانا منظور الحق علوی ــــ

آپ نے متن قرآن مجید کی اس بے مثال کتابت کے ساتھ دوسرے

قلم سے جابجا علمی اقوال اور تفسیری جملے مختلف تفاسیر سے نقل کر کے معارف قرآنیہ اور مسائل مشکلہ کو حل کر کے اہل علم کو کئی تفسیروں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ آخر میں تفسیر کا نام بھی لکھ دیتے ہیں تاکہ دیکھنے والوں کے لئے سہولت رہے۔

ایک اور عجیب بات نظر آتی ہے جس کا ذکر مولانا علوی نے کیا کہ: ــــ

"تلاوت کے دَوران جب کسی عالم کو کبھی متشابہ لگا وہیں اس کو ایسا جملہ لکھا ہوا ملا جس نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

الغرض متن قرآنی کی کتابت کے ساتھ ساتھ تفسیری طور پر اتنا ذخیرہ ساتھ شامل کر دیا ہے جو بڑی بڑی تفاسیر سے لوگوں کو بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ قرآن عزیز اور قرآنی علوم سے مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ عقیدت کا غماز ہے ــــ اب سُنیں کہ یہ "سیپارہ دل" خاندان کے ارباب علم و فضل کے پاس محفوظ رہا تا آنکہ اب اس خاندان کے صالح اور متدین فرزندوں نے اپنے عظیم جد بزرگوار کی اس امانت و محنت کو افادۂ عام کے لئے سامنے لانے کا پروگرام بنایا ہے مولانا منظور الحق کی تحریک پر ان کے بھائی مولانا غلام مصطفیٰ علوی نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد طبع کرا دیا اور چونکہ اس زمانہ میں بعض چیزوں کا رواج نہ تھا اس لئے اب مولانا غلام مصطفیٰ صاحب علوی نے سپارہ کا نام صفحہ نمبر اور سورتوں کے نام الگ لکھوا کر فوٹو کے ساتھ چسپاں کر دئے ہیں تاکہ دَور جدید کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔

میں نے جب یہ عظیم تحفہ دیکھا تو میری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں حتیٰ کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں اس باہمت عالم ربانی کے لئے بے ساختہ دعائیں کرنے لگا جس نے سالہا سال کی محنت کے بعد یہ صحیفہ ربانی کتابت کیا۔ اور ساتھ ہی ان کے خاندان کے عزیزوں کے لئے دل سے دُعا نکلی جو الولد سر لابیہ کے مصداق خدمت دین میں بڑے اخلاص سے مشغول ہیں اور جنہوں نے زر کثیر خرچ کر کے اس قلمی نسخہ کو طباعت کے مرحلہ سے گذار کر عام کر دیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

> نور پور علاقہ چھچھ کے علمی خاندان نے موجودہ نسل پر بڑا احسان کیا ہے کہ اس قلمی نسخہ کو چھاپ دیا ہے جس سے آج ہر کوئی استفادہ کر سکتا ہے۔

مولانا غلام مصطفیٰ صاحب علوی کے پتہ مکتبہ علمیہ عثمانیہ ۸۵/۱۶ رسول پارک لاہور سے یہ نسخہ مبارکہ دستیاب ہے جو حرز جاں بنائے جانے کے لائق ہے اللہ تعالیٰ اس کی کتابت کے مرحلہ سے لے کر اب تک جتنے حضرات نے اس میں کوئی محنت کی ان کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور ان کو اپنے کرم خصوصی کا مورد بنائے اور امت مسلمہ کو اس صحیفہ ربانی کی قدر افزائی کی توفیق دے ــــ

حق یہ ہے کہ کوئی لائبریری اس نسخہ مقدسہ سے خالی نہ رہنی چاہئے اور طالبان علوم کو اس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔

بقیہ : خطبہ جمعہ

میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر وہ محاورہ صحیح ثابت ہونے لگتا ہے کہ بھیڑ اور بھیڑیا ایک گھاٹ سے پانی پینے لگتے ہیں۔ اس لئے ہم سب کا فرض ہے اور ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، اپنے احتساب کی فکر کریں اور رجوع الی اللہ کا طریقہ اختیار کریں۔ تاکہ ان مصائب و آلام سے نجات حاصل ہو سکے ــــ اللّٰھم آمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ : طالب علم دین

ملت کو قائم کرنے والے بھی یہی ہیں۔ کل قیامت کے دن شریعت کے بارے میں سوال ہو گا۔ تصوّف کے متعلق نہ پوچھا جائے گا۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ کی آگ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے کے ساتھ وابستہ ہے۔

(از مکتوب ۴۸ دفتر اوّل)

دین کے طالب علموں کو اپنا مرتبہ پہچاننا چاہئے۔ اور طلب علم دین میں مستعد رہنا چاہئے۔

محمد شفیع عمر الدینی، میرپور خاص سندھ

طالبِ علمِ دین

اور

طالبِ دُنیا کبھی سیر نہیں ہوتے

حضرت خاتم النبیین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

مَنْھُوْمَانِ لَایَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالِبُ دُنْیَا۔

(جامع الصغیر)

ترجمہ:۔ دو بھوکے حریص ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے۔ (ایک) طالبِ علم اور (دوسرا) طالبِ دنیا۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ اس حدیث شریف کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ ؎

۱۔ علم دریائے ست بے حد و کنار
طالبِ علم است غواصِ بحار

۲۔ گر ہزاراں سال باشد عمرِ او
می نگردد و سیر او از جستجو

۳۔ کاں رسولِ حق بگفت اندر بیان
ایں کہ منہومان ہما لا یشبعان

۴۔ طالب الدنیا توفیر اتہا
طالب العلم وتدبیراتہا

۵۔ پس دریں قسمت چو بکشادی نظر
غیر ایں دنیا بود علم اے پدر

۶۔ غیر دنیا پس چہ باشد؟ آخرت!
کت کند زیں جا و گردد رہبرت

۷۔ غیر دنیا آخرت باشد یقیں
کاں بُرد زینجات آنجا اے امیں

(مثنوی دفتر ششم)

یعنی (۱) علم ایک ایسا دریا ہے جس کی نہ کوئی حد ہے اور کنارہ۔ وہ نہایت ہی وسیع ہے۔ کوئی انسان اس کی حد اور اس کے کنارے کو نہیں پاسکتا۔ ایک طالب علم اس علم کے دریا کا غوطہ زن ہے۔

۲۔ اگر اس طالب علم کی عمر ہزاروں سال بھی ہو تو وہ اس علم کے حاصل کرنے، اس کے مطالعہ اور اس کی جستجو اور اس پر عمل کرنے سے کبھی بھی سیر نہ ہوگا۔

۳۔ اس بات کی تائید میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف موجود ہے کہ: دو بھوکے حریص ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ ایک طالبِ علم ہے اور دوسرا طالبِ دنیا۔

۴۔ طالبِ دنیا ہمیشہ دنیا کی ادھیڑبن اور اس کے بناؤ سنگار اور آرائش میں لگا رہتا ہے۔ اس کے برعکس علمِ دین کا طالب اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے، اس کی نشر و اشاعت اور دوسروں کو اس پر عمل کرانے کی تدبیروں میں لگا رہتا ہے۔

۵۔ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حریصوں کی جن کا پیٹ نہیں بھرتا دو قسمیں بیان فرما دیں تو ہمارے سامنے یہ معاملہ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ علم کا طالب، دنیا کے طالب سے بالکل جدا ہے۔

۶۔ دین کا طالبِ علم، دنیا کا طالب نہیں وہ اس علم کو حاصل کرنا چاہتا جو اس کی آخرت سنوار دے۔

۷۔ اور دنیا کے طالب کے سوا دوسرا طالب یقیناً آخرت کا طالب ہے۔ اور وہ علمِ دین ہی ہے جو اُسے اس جہان سے اُس جہان میں سلامتی کے ساتھ لے جائے گا۔ یہی علم آخرت میں کام آئے گا۔

(تشریح ختم)

دین کے طالب علموں کے بارے میں حضرت سیدنا و مرشدنا و مولٰنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایک مکتوب گرامی میں فرمایا کہ: آپ نے خط میں لکھا تھا کہ کچھ خرچ "طالب علموں" اور "صوفیوں" کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ آپ کی یہ بلند نظری کہ "طالب علموں" کا ذکر "صوفیوں" سے قبل کیا ہے بڑی اچھی لگی ہے۔ ظاہر، باطن کا پتہ دیتا ہے۔ امید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی "طالب علموں کی جماعت" کو مقدم سمجھنا ظاہر ہوگیا ہوگا۔ ہر برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر بھرا ہُوا ہو۔

ع از کوزہ بروں ہماں تراشد کہ درو ست

(لوٹے سے سب کچھ وہی باہر نکلتا ہے جو اس کے اندر ہو)

اور طالب علموں کو مقدم سمجھنا شریعت کو رواج دینا ہے کیونکہ یہی طالب علم شریعت کے حامل ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

(باقی ۲۵ پر)

طبّی مشورے

براہ راست جواب کے خواہشمند حضرات جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔

حکیم آزاد شیرازی شیرانوالہ گیٹ لاہور ۸

ایک ڈاکٹر صاحب کا خط اور ——— اس کا جواب

گزشتہ سال خدام الدین میں اولاد نرینہ کے سلسلے میں کسی سوال کے جواب میں ایک دیسی نسخہ لکھا گیا تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے یہ نسخہ راقم الحروف سے تیار کرا کے استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کاملہ سے فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں راقم الحروف کے نام درج ذیل خط لکھا ہے:۔

"حکیم صاحب! میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں آپ کی گولیاں برائے اولاد نرینہ بہت فائدہ مند ثابت ہوئیں اور ان کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا اور مجھے پانچ بچیوں کے بعد اولاد نرینہ عطا کی۔ فرزند بالکل تندرست اور نہایت ہی صحت مند ہے گولیاں کھانے سے لڑکے کی والدہ کی صحت بھی بہت اچھی ہو گئی ہے اس سے پہلے بھی بہت سارے دوا خانوں سے ہر بار دوائیاں کھائی گئیں لیکن فائدہ نہ ہُوا۔ آپ کی دوا سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا اور فرزند عطا کیا۔ جس کے لئے میں، اور میری بیوی آپ کے بے حد شکرگزار ہیں اور میری پانچوں بیٹیاں بھی آپ کے لئے دعا گو ہیں۔ اس دوائی نے بیماری پر تیر کی طرح اثر کیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم دے۔ آمین!

میرے یہ چند ایک شکریے کے الفاظ امید ہے کہ آپ قبول فرمائینگے۔

والسلام ڈاکٹر مقصود حیات گوہر
ویٹرنری آفیسر (ہیلتھ)
سول ویٹرنری ہسپتال مینگڑی
تحصیل شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ ۱۲ $\frac{۳}{۸۳}$

ڈاکٹر صاحب کو جواباً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بیٹیاں دے جسے چاہے بیٹے بخشے، جسے چاہے بیٹے بیٹیاں دونوں عطا فرمائے جسے چاہے سرے سے اولاد ہی نہ دے وہی سب قوتوں اور قدرتوں کا مالک ہے انسان تو تدبیریں کرتا ہے تقدیر نہیں بدل سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے اس گناہگار بندے کی تدبیر کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور سرخرو کردیا ——— ورنہ من آنم کہ من دانم۔

آپ کے اس خط کی اشاعت کا مقصد فقط یہ ہے کہ جو لوگ ڈاکٹری ادویات اور ایلوپیتھی سائنس سے مرعوب ہیں اور طب یونانی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں سال پہلے بھی اس دنیا کے لوگوں کو عقل و فہم عطا فرمائی تھی اور قدیم طریقہائے علاج بھی انتہائی سائنٹفک تھے۔ نیز قدیم طریقہائے علاج کی بنیاد روحانیت پر تھی، جبکہ جدید مغربی سائنس کی بنیاد مادیت پر ہے۔ اولاد نرینہ کا مندرجہ بالا نسخہ ہزاروں سال پہلے آریوویدک طریق علاج اور یونانی طریق علاج کا حسین امتزاج ہے اور ایلوپیتھی طریق علاج ہنوز اس کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچا۔

علامہ اقبال مرحوم نے اسی لئے تو کہا تھا ؎

ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام

لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء ۱۰ لبر
یم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۷-۲۰۷-۹ D.D. مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.۱۴/۲/۷-۱۵۴۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۴ء